ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

5 شعبان المعظم 1438ھ —— مئی 2017ء

احرار
عزم وہمت اور صبر و استقامت کے 87 سال

- ★ پانامہ فیصلہ اور الزام کی سیاست
- ★ آزاد کشمیر اسمبلی میں تحریک ختم نبوت کی کامیابی!
- ★ مشال خان کا قاتل......مولوی یا مسٹر؟
- ★ سودی نظام اور وفاقی شرعی عدالت کا حالیہ فیصلہ
- ★ ماہ شعبان کے متعلق احکام اور فضائل
- ★ شیر کی ایک دن کی زندگی......ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ / تعارف واپیل

ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے ۲۸؍نومبر ۱۹۶۱ء کو کرایہ کے ایک مکان میں ''مدرسہ معمورہ'' ملتان کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۹ء میں یہ مدرسہ، دارِ بنی ہاشم میں منتقل ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں ''جامعہ بستانِ عائشہ'' قائم کر کے بچیوں کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ الحمد للہ اس وقت دونوں مدارس میں حفظِ قرآن، ترجمہ وتفسیر اور فقہ وحدیث کی تعلیم جاری ہے۔

مدرسہ ختم نبوت چناب نگر میں ایک سو سے زائد طلباء حفظِ قرآن، درسِ نظامی اور مڈل تک عصری تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

رہائشی طلباء کی جملہ ضروریات مدرسہ ہی کے ذمہ ہیں۔ علاوہ ازیں چناب نگر، چنیوٹ اور چیچہ وطنی میں تین مساجد کی جزوی تعمیر باقی ہے۔ مسجد احرار چناب نگر سے ملحق مدرسہ ختم نبوت بھی زیرِ تعمیر ہے۔

علاوہ ازیں چناب نگر میں ''مسلم ہسپتال'' کی تعمیر کے لیے مزید اراضی کی خرید اور تعمیر کا تخمینہ پانچ کروڑ روپے ہے۔ مدرسہ معمورہ میں طلباء کی درس گاہوں، رہائشی کمروں اور لائبریری کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ جس کا تخمینہ ایک کروڑ روپے سے زائد ہے۔ مدرسہ کا سالانہ خرچ پچاس لاکھ روپے ہے۔

مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام مختلف شہروں میں چھتیس مدارس تعلیم وخدمتِ دین میں مصروف ہیں۔

احباب سے درخواست ہے کہ اپنی زکوٰۃ وصدقات اور عطیات مدرسہ معمورہ کو عنایت فرمائیں۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کے جاری کردہ اس دینی فیض کو عام کرنے میں ہمارے معاون بنیں۔ اللہ تعالیٰ آ کو جزائے خیر عطا فرمائیں (آمین)

ترسیل زر کے لیے

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان
بذریعہ منی آرڈر: سید محمد کفیل بخاری، ناظم مدرسہ معمورہ
دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان 061-4511961,0300-6326621

الداعی ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری / مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 28 شمارہ 5 شعبان المعظم 1438ھ / مئی 2017ء

Regd.M.NO.32

تشکیل

دل کی بات:	پانامہ فیصلہ اور الزام کی سیاست	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرات:	آزاد کشمیر اسمبلی میں تحریک ختم نبوت کی کامیابی!	عبداللطیف خالد چیمہ	4
افکار:	قادیانیوں کی بے جا طرف داری	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	6
//	قادیانی جماعت اور بی جے پی کا گٹھ جوڑ	سیف اللہ خالد	7
//	مشال خان کا قاتل...... مولوی یا مسٹر؟	عبدالرشید قمر	8
//	سودی نظام اور وفاقی شرعی عدالت کا حالیہ فیصلہ	مولانا زاہد الراشدی	10
//	وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس نے کیا کہہ دیا!!	انصار عباسی	12
//	اس بار کا منظر	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	14
دین و دانش:	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	15
//	جنت و دوزخ	امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ / ترجمہ و استفادہ: صبیح ہمدانی	17
//	بے نمازی	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	19
//	دو "رواجِ تکفیر"	محمد یوسف شیخوپوری	21
//	ماہِ شعبان کے متعلق احکام اور فضائل	مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی	24
//	احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ (قسط: ۱۳)	حافظ عبید اللہ	30
انٹرویو:	پروفیسر خالد شبیر احمد (مرکزی نائب امیر مجلس احرار اسلام) سے انٹرویو	شفقت رسول مرزا	37
ادب:	عشق کے قیدی (قسط: ۹)	ظفر جی	45
شخصیت:	شیر کی ایک دن کی زندگی...... ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ	فیروز الدین احمد فریدی	54
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب، اشاریہ "برہان" دہلی، خدمات علماء سندھ اور جمعیت علماء	سلمان عابد، سلیم اللہ چوہان	60
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

حضرت پیرجی امیرِ شریعت سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

تزئین

محمد مزمل حمید

سرکولیشن منیجر

محمد لطف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ——— 200/- روپے

بیرونِ ملک ——— 4000/- روپے

فی شمارہ ——— 20/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

پانامہ فیصلہ اور الزام کی سیاست

سید محمد کفیل بخاری

پانامہ کیس کا ایسا فیصلہ آیا ہے کہ'' کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی''۔ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ میں سے دو نے کہا کہ ''دال میں کالا کالا ہے''، تین نے کہا کہ کچھ ہے تو سہی لیکن مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جے آئی ٹی کو کالا کالا تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس فیصلے پر فریقین نے مٹھائیاں تقسیم کیں، لڈو کھائے اور لڈی ڈالی، اپنے اپنے رہنماؤں پر پھول برسائے اور تعریف میں نعرے بلند کیے۔ ہمارے خیال میں شیخ رشید کا تبصرہ زیادہ دلچسپ ہے۔

''دو میں فیل، تین میں پاس اور وہ کہتے ہیں پپو پاس ہوگیا''

عمران خان تو اب بھی تصور پانامہ کیے بیٹھے ہیں، دیکھیے پانامہ کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ دو مہینے جے آئی ٹی کا انتظار بھی کرلیں، نتیجہ یہی نکلے گا۔ عوام ووٹ انھی کو دیں گے اور حکومت پھر انھی کی بنے گی۔ سی پیک ان کی ضرورت ہے اور یہ سی پیک کی ضرورت ہیں۔ البتہ ڈان لیکس کا فیصلہ باقی ہے۔ دل یا شکم!

الزامی سیاست اپنے عروج پر ہے، عمران خان کے نزدیک شریف برادران اور ان کے ساتھی سب کرپٹ ہیں۔ جبکہ شریف برادران کے نزدیک عمران دنیا کا جھوٹا ترین شخص ہے۔ زرداری دونوں کی لڑائی انجوائے کر رہے ہیں اور کبھی کبھی شیر الگاتے رہتے ہیں۔ جو ان کی سیاسی مجبوری ہے کہ الیکشن سر پر ہے۔ الزامات کا ایک شرمناک سلسلہ جاری ہے۔ عمران کے بقول انھیں چپ رہنے کے لیے 10/ ارب رشوت کی پیش کش کی گئی۔ اعتزاز احسن نے ہوا دی کہ ضرور ہوئی ہوگی لیکن عمران بھولا آدمی ہے۔ پی ٹی آئی حکومت کے خلاف کورٹ میں گئی تو اب مسلم لیگ نے بھی کورٹ میں جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ دونوں کورٹ کورٹ کھیل رہے ہیں، پی پی تماشائی ہے اور بے وقوف لوگ ہیں عوام، رہ گئے غلام کے غلام۔

قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن انتہائی زیرک سیاست دان ہیں۔ ایسے ماحول میں انھوں نے جمعیت علماء اسلام کا صد سالہ عالمی اجتماع منعقد کر کے جہاں اپنی زبردست قوت کا مظاہرہ کیا وہاں حکمرانوں اور سیاست دانوں کو بھی مثبت پیغام دیا کہ اتنی بڑی قوت کو نظر انداز کر کے وہ اپنی من مانیاں نہیں کرسکیں گے۔ مولانا فضل الرحمٰن اس وقت دینی قوتوں کے سب سے مضبوط نمائندے ہیں۔ انھوں نے جس حکمت کے ساتھ دینی جماعتوں سے تشدد کے رجحانات کو ختم کیا وہ بڑا کارنامہ ہے۔ متحدہ مجلس عمل مرحومہ کے دور میں بھی وہ ایک قوت تھے لیکن حالات کے تیور بتاتے ہیں کہ اس مرتبہ جمعیت علماء ایک بڑی سیاسی قوت بن کر ابھرے گی۔ جماعت اسلامی، کبھی متحدہ مجلس عمل میں جمعیت علماء کے ساتھ تھی۔ لیکن

2013ء کے انتخابی نتائج نے اسے پی ٹی آئی کے قریب کر دیا۔ جس کے نتیجے میں نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم کا مصداق بن گئے۔ چنانچہ جمعیت علماء کے صد سالہ اجتماع میں امیر جماعت جناب سراج الحق کا یہ فرمانا کہ: ''میں دینی جماعتوں کے اتحاد کی ذمہ داری مولانا فضل الرحمٰن کے سپرد کرتا ہوں'' دراصل مولانا کی سیاسی قوت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اس وقت تمام دینی قوتیں مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ایک پیج پر ہیں۔ امید ہے کہ جماعت اسلامی بھی آئندہ انتخابات میں مولانا کی حلیف ہوگی۔ دینی قوتوں کو موجودہ سیاسی افراتفری اور الزام و دشنام کے ماحول سے دور رہ کر اپنی سیاسی قوت کے اضافے پر توجہ دینی چاہیے۔

گزشتہ چند ماہ سے سوشل میڈیا پر جس بے غیرتی کے ساتھ توہین رسالت کی شرمناک مہم چلائی گئی وہ ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ پہلے بلاگرز سامنے آئے تو جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے سخت نوٹس لے کر ان کا ٹیٹوا دبایا پھر ولی خان یونیورسٹی میں مشال خان کے قتل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا اور اب چترال کی شاہی مسجد میں ایک شخص نے بھرے مجمع میں اسمٰعیلی مذہب کے پچاسویں امام کے ظہور کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ شاہی مسجد کے خطیب مولانا خلیق الزمان نے اسے پولیس کے حوالے کر کے انتہائی دانش مندی کا مظاہرہ کیا۔ یہ شرمناک حرکتیں یقیناً کسی گہری استعماری سازش کا نتیجہ ہیں۔ جس کا مقصد پاکستان سے توہین رسالت کی سزا کا قانون ختم کرانا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ واقعات قانون پر عمل نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شرمناک واقعات کی روک تھام کے لیے قانون پر عمل داری یقینی بنائے۔

امریکہ نے افغانستان میں ایٹم بم کے بعد سب سے زیادہ طاقتور بم گرا کر سیکڑوں بے گناہ شہریوں کا قتل عام کیا ہے۔ غیر معمولی سانحے پر دنیا کی مجرمانہ خاموشی افسوسناک ہے۔ ہمارے حکمران بھی خاموش ہیں حالانکہ یہ پاکستان کے لیے بھی امریکی دھمکی ہے۔ افغانستان اور انڈیا کی دھمکیوں کے بعد اب ایران کے ماتھے پر بھی بل آ گئے۔ گزشتہ دنوں پاک ایران سرحد پر سرحدی محافظوں کی ہلاکت پر ایرانی صدر نے پاکستان پر برہمی کا اظہار کیا ہے اور پاکستانی سفیر کو بلا کر احتجاج کیا ہے۔ سابق آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کلبھوشن کی گرفتاری کے موقع پر ایرانی صدر سے ملاقات میں بھی کلبھوشن کے ایران سے پاکستان میں داخلے کے علاوہ بعض دیگر حساس معاملات پر بھی ان سے بات چیت کی تھی۔ جسے برا منایا گیا۔ حالانکہ حساس معاملات پر سنجیدگی سے غور و خوض اور ان کے حل کے لیے مثبت کوششوں کی ضرورت ہے۔ اگر سرحدی محافظوں کے قتل کا ذمہ دار پاکستان ہے تو ایرانی سرحد سے پاکستانی سرحد پر میزائل برسانے کا ذمہ دار کون ہے؟

آزاد کشمیر اسمبلی میں تحریک ختم نبوت کی کامیابی!

عبداللطیف خالد چیمہ

یادش بخیر! راقم الحروف کو یاد ہے کہ 30/ اپریل 1973ء کو اخبارات کے ذریعے یہ خبر معلوم ہوئی کہ 29/ اپریل 1973ء کو (جب مجاہدِ اوّل سردار عبدالقیوم خان مرحوم آزاد کشمیر کے صدر تھے) آزاد کشمیر اسمبلی نے لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے کر سبقت حاصل کر لی جس کا ملک بھر میں پر جوش خیر مقدم کیا گیا، مجلس احرار اسلام نے مختلف مقامات سے خیر مقدمی اشتہار شائع کیے اور اجتماعات بھی منعقد کیے، راقم نے ملتان کا سفر کر کے قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے عبارت کی ترتیب بنوا کر اشتہار شائع کیا، آزاد کشمیر اسمبلی کے اس کلیدی فیصلے کو دنیا بھر میں تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا رہا یہ فیصلہ بہرحال 1974ء کی پاکستان کی قومی اسمبلی کی قرار داد اقلیت کے لیے بھی ممد و معاون ثابت ہوا۔ آزاد کشمیر اسمبلی میں اس وقت یہ قرار داد میجر محمد ایوب مرحوم کو پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہوا، رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری جناب محمد صالح التزاز نے صدر پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے نام ایک تار میں آزاد کشمیر اسمبلی کی اس قرار داد کی تعریف کی۔ اس سب کچھ کے باوجود ''سرخ فیتہ'' ''بیوروکریسی'' ''اسٹیبلشمنٹ'' یا پھر ''اصل حکمران'' کوئی نام دے لیں، اس طبقے نے بہرحال اس منظور شدہ قرار داد اقلیت کو قانون، ضابطے کے مطابق آئین کا حصہ نہ بننے دیا۔ جس پر کئی سال پہلے سے آزاد کشمیر میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے قاری عبدالوحید قاسمی، حافظ محمد مقصود کشمیری اور دیگر حضرات نے جانکاہ محنت کر کے اس مسئلہ کو اجاگر کیا اور رفتہ رفتہ پذیرائی حاصل کی، تا آنکہ 26/ اپریل 2017ء بروز منگل یہ خبر موصول ہوئی کہ آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی نے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں لاہوری و قادیانی مرزائیوں جو خود کو احمدی بھی کہتے ہیں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرار داد جو اصل ریکارڈ کے مطابق 22/ مارچ 1973ء کو پیش کی گئی اور 29/ اپریل 1973ء کو منظور ہوئی تھی، کو اب باضابطہ قانون کا حصہ بنانے کی منظوری دے دی ہے۔ یہ قرارداد، رکن آزاد کشمیر اسمبلی راجہ محمد صدیق اور پیر علی رضا دونوں نے الگ الگ پیش کی، پھر دونوں کی قرار داد کو یکجا کر کے پیش کیا گیا، ایک طویل مدت کے بعد جس اہم ترین فیصلے کو دانستہ لٹکا دیا گیا تھا، اللہ کریم کے فضل و کرم سے وہ اوجھل نہیں رہ سکا اور آخر کار حق اور اہل حق کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ اس موقع پر ہم آزاد کشمیر کی حکومت، ارکان اسمبلی اور خصوصاً تحریک تحفظ ختم نبوت آزاد کشمیر کے امیر قاری عبدالوحید قاسمی، حافظ محمد مقصود کشمیری، راجہ محمد آصف، راجہ انوار القمر ایڈووکیٹ، میجر محمد ایوب مرحوم کے داماد کرنل (ر) عبدالقیوم اور دیگر قائدین و معاونین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھیں اور مزید کامیابیوں سے نوازیں، آمین یارب العالمین

احرار کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس:

مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالیٰ نے علاقائی جماعتوں کے انتخابات مکمل ہونے پر حسبِ دستور آئندہ مدت کے لیے تشکیل پانے والی نئی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس 4 رمئی 2017ء بروز جمعرات 8 بجے صبح مرکزی دفتر دارِ بنی ھاشم ملتان میں طلب کیا ہے، اجلاس میں شرکت کے لیے تمام ارکان مرکزی شوریٰ ومرکزی نمائندگان کو بذریعہ سرکلر (ڈاک) اطلاع کردی گئی ہے۔ اگر کسی ماتحت شاخ کو ڈاک نہ ملی ہو تو نامزد ارکانِ شوریٰ سرکلر پڑھ کر براہ راست مرکز سے رابطہ کر کے بہرصورت اجلاس میں تشریف لائیں۔ سرکلر درج ذیل ہے:

سرکلر نمبر: 1-04-17 تاریخ: 25-04-17

مکرمی ومحترمی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلس احرار اسلام پاکستان کی جدید تنظیم سازی کی تکمیل کے بعد نئی تشکیل پانے والی ''مرکزی مجلس شوریٰ'' کا اجلاس حضرت امیر مرکزیہ پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ العالی نے 4 رمئی 2017ء جمعرات، آٹھ بجے صبح دارِ بنی ہاشم ملتان میں طلب کیا ہے۔ آنجناب سے درخواست ہے کہ 3 رمئی بدھ کی شام تک لازماً ملتان پہنچ جائیں اور اپنی آمد سے پیشگی مطلع بھی فرمائیں، شکریہ

والسلام

عبداللطیف خالد چیمہ

سیکرٹری جنرل، مجلس احرار اسلام پاکستان

0300-6939453

Email:majlis.e.ahrar.pk@gmail.com

پروگرام انشاء اللہ تعالیٰ

تاریخ: 4 رمئی 2017ء

دن: جمعرات

وقت: 8 بجے صبح

مقام: دارِ بنی ہاشم ملتان

ایجنڈا حسبِ ذیل ہے

☆ سابقہ کارروائی کی توثیق

☆ آئندہ دستوری مدت کے لیے مرکزی انتخابات

☆ صوابدیدی نامزد عہدیداران کا اعلان

☆ دیگر امور باجازت امیر مرکزیہ

قادیانیوں کی بے جا طرف داری

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

روزنامہ 92 نیوز لاہور کے 22/اپریل 2017ء کے ادارتی صفحہ پر جناب ڈاکٹر طاہر مسعود کا کالم بعنوان ''پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟'' پڑھا۔ فاضل کالم نگار نے عبیداللہ علیم کا ایک شعر نقل کر کے تحریر کیا ہے کہ ''ہم نے علیم کا شعر نقل تو کر دیا، لیکن اک ذرا شرمندگی سی بھی ہے کہ [علیم] کا ایک اقلیتی فرقہ سے تعلق تھا اور ان دنوں اس فرقہ پر اپنے دین کے بے رحم عشاقوں کے ہاتھوں افتادٹوٹی پڑی ہے کہ کوئی دن جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس فرقے کا مقتول ہو جاتا ہے۔'' پھر ڈاکٹر طاہر مسعود نے فساد فی الارض کا تعلق مذہب سے جوڑنے اور ''مذہب کی آڑ میں فسطائی چیرہ دستیوں کے بے رحمانہ مظاہروں'' پر زورِ بیان صرف کیا ہے۔ جناب والا! پہلی بات تو یہ ہے کہ قادیانی ایک فرقہ نہیں بلکہ قادیانیت ایک مستقل مذہب ہے اور علامہ اقبال کے بقول ''قادیانی ایک علیحدہ امت ہیں، کیونکہ نیا نبی تسلیم کر لینے سے امت بھی بدل جاتی ہے۔'' دوسری بات یہ ہے کہ قادیانیوں پر جس اُفتاد کا ذکر کیا گیا ہے کیا اُنھوں نے کبھی غور کیا ہے کہ دیگر غیر مسلم اقلیتوں کے برعکس پاکستان میں صرف قادیانی ہی کیوں باعثِ نزاع بنے ہوئے ہیں؟ جناب والا! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قادیانی اسلام کی رُو سے پہلے ہی غیر مسلم تھے، مگر 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کے کفریہ عقائد کے متعلق قرآن وسنت کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اُن کی آئینی حیثیت متعین کر دی اور اُنھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا، مگر قادیانی اپنی اس متعینہ دستوری حیثیت کو تسلیم کرنے سے اب تک یکسر انکاری ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے، اسلامی شعائر کا بے دھڑک استعمال کرتے اور مرزا قادیانی کی مکذوبہ نبوت کو حقیقی نبوت بتاتے ہیں۔ جس پر فساد اور نزاع ہونا ایک فطری بات ہے۔ جس کے ذمہ دار صرف اور صرف خود قادیانی ہیں۔ اِس ملک میں درجنوں دیگر غیر مسلم اقلیت بھی رہتی ہیں، لیکن اُن کے ساتھ مسلمانوں کے اِس طرح کے نزاعات تسلسل کے ساتھ کبھی نہیں دیکھے گئے، وہ اِس لیے کہ وہ اپنی متعینہ آئینی حیثیت کو تسلیم کرتی ہیں اور مسلمان اکثریت کے عقائد کا احترام کرتی ہیں۔ اُن کے برعکس قادیانی مسلمان اکثریت کے جذبات واحساسات کی پروا کیے بغیر اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ دھڑلے سے مرزا قادیانی کو رَسول اللہ، ان کی بیوی کو اُم المومنین، اُن کے ساتھیوں کو صحابی اور قادیان کو مکہ اور مدینہ سے افضل لکھتے ہی نہیں، کہتے بھی ہیں۔ جس سے اشتعال کی فضا پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات بات قتل وغارت گری تک جا پہنچتی ہے۔ ہم کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دے سکتے اور قادیانیوں کی ایسی اشتعال انگیز کارروائیوں کو قانون اور آئین کے دائرے میں لانے کے قائل ہیں، مگر قادیانی خوداَیسے خون ریز مواقع پیدا کرتے ہیں اور جب اُن کا ردِعمل آتا ہے تو اپنے انسانی حقوق کا رونا رو کر بیرونی ممالک میں پناہ حاصل کرتے ہیں اور وہاں سے اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

ازراہ کرم قادیانیوں کے حق میں آواز اُٹھانے سے پہلے زمینی حقائق پر بھی نظر کی جائے اور غیر مسلم اقلیت کی بے جا حمایت کی بجائے مسلم اکثریت کے حقوق اور جذبات کو بھی مدنظر رکھا جائے تو یقین ہے کہ قلم اور زبان سے حق اور سچ کے اظہار میں کسی دشواری اور رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور کسی بھی طبقہ کی حق تلفی نہیں ہوگی۔

قادیانی جماعت اور بی جے پی کا گٹھ جوڑ

سیف اللہ خالد

بھارتی حکومت اور قادیانی جماعت کے درمیان گٹھ جوڑ بڑھنے کی اطلاعات ہیں، مرکز میں بی جے پی اور پنجاب میں کانگریس کے ساتھ قریبی تعلقات کا انکشاف ہوا ہے۔ بتایا گیا ہے بھارتی ریاست حیدر آباد میں قادیانی جماعت با قاعدہ طور پر بی جے پی کی اتحادی ہے اور حیدر آباد کے صدر کی بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے ساتھ خصوصی دوستی کی بھی اطلاعات ہیں اور قادیانی جماعت پاکستان اور بھارتی مسلمانوں کے خلاف بی جے پی کے موقف کی نا صرف حامی بلکہ بعض معاملات میں مددگار بھی بتائی جاتی ہے۔ اطلاعات کے مطابق بھارتی حکومت نے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا مسرور کو بھارتی پنجاب کے سرکاری طور پر دورہ کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ اسے بھارت میں ریاستی پروٹوکول دیا جائے گا۔ اس حوالے سے گزشتہ دنوں کانگریس کے ایک کیبنٹ منسٹر ترپت راجندر سنگھ نے قادیانی صدر دفتر قادیان کا دورہ بھی کیا، بتایا گیا ہے کہ اس دورہ کے دوران سکھ وزیر کا استقبال بھارت قادیانی جماعت کے صدر انجمن جلال الدین اور چیف سیکریٹری جماعت قادیان انعام غوری نے کیا۔ کیبنٹ منسٹر کو اس موقع پر مہمان خانہ میں با قاعدہ استقبالیہ دیا گیا اور اس نے کہا کہ وہ مرزا مسرور کو دورہ بھارت کی دعوت دیتا ہے اور اس سلسلہ میں اسے خط بھی لکھے گا۔ بھارتی صوبائی وزیر نے وضاحت کی کہ مرزا کو دورہ بھارت کے دوران ریاستی پروٹوکول بھی دیا جائے گا اور اس کی سیکورٹی اور پروٹوکول میں کوئی کمی نہیں چھوڑی جائے گی۔ توقع کی جارہی ہے کہ بھارتی وزیر کی جانب سے دعوت دیے جانے کی صورت میں مرزا مسرور بہت جلد بھارت کا دورہ کرے گا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ابھی اس دورہ کی با قاعدہ دعوت دی جانی ہے مگر یہ امر پہلے سے ہی طے شدہ ہے کہ وہ اپنے دورہ کے دوران بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے بھی ملے گا۔ اوصاف کو قادیان کے آن لائن اخبار سے دستیاب معلومات کی لندن صدر دفتر میں ذرائع نے بھی تصدیق کی ہے اور کہا ہے کہ مرزا کا دورہ بھارت ایک عرصہ سے زیر التوا تھا، وہ خود بھی یہاں آنا چاہتا تھا مگر پروٹوکول اور سیکورٹی کی وجہ سے نہیں آرہا تھا اسی وجہ سے اب بھارتی وزیر کی جانب سے قادیانی جماعت کے مطلوبہ پروٹوکول کا وعدہ کر لیا گیا ہے، لہٰذا توقع ہے کہ یہ دورہ جلد ہوگا۔ لندن جماعت کے ذرائع کا دعویٰ ہے کہ اس موقع پر پاکستان سے جماعت کی قیادت کو بھی مدعو کیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق بھارت میں پاکستان سے درخواست پر ویزے شدید پریشانی کے بعد جاری ہوتے ہیں وہ بھی کسی مجبوری کی بنا پر لیکن پاکستانی ہندوؤں اور قادیانی جماعت کے لوگوں کو بھارت کھلے دل سے ویزے عطا کرتا چلا جاتا ہے اور وہ اپنی اس پوزیشن کو استعمال کرتے ہوئے کئی ایک مسائل پیدا کر رہے ہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''اوصاف'' ۲۲؍ اپریل ۲۰۱۷ء)

مشال خان کا قاتل......مولوی یا مسٹر؟

عبدالرشید قمر

مردان کی ''ولی خان یونیورسٹی'' میں غیر مذہبی طلبہ کے ہجوم کے ہاتھوں توہین مذہب کے نام پر ایک غیر مذہبی نوجوان مشال خان کا سفاکانہ قتل......انتہائی افسوس ناک اور شرمناک ہے، مقتول توہین مذہب کا مرتکب ہوا تھا یا نہیں اس بحث سے قطع نظر کسی بھی فرد کو یا گروہ کو شریعت اسلامیہ یہ اختیار نہیں دیتی کہ وہ خود خدائی فوج دار بن کر اپنی عدالت لگائے اور سزائیں دیتا پھرے،......اسلامی ریاست میں حدود اللہ کا نفاذ......سزا و تعزیر کی تنفیذ میں اتھارٹی یا تو حاکم وقت ہوسکتا ہے یا عدالتیں ہوا کرتی ہیں...... مذہب کے نام پر ایسے کسی بھی قتل کو جسٹی فائی نہیں کیا جاسکتا۔ اس ضمن میں کچھ باتیں غور طلب ضرور ہیں جن پر مکالمہ ہونا چاہیے۔۔۔ بہرحال یہاں موضوع سخن یہ ہے کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ مشال خان کا قتل کسی مسجد کے صحن اور مدرسے کے احاطے میں نہیں ہوا......مشال خان کو داڑھی اور عمامے والوں نے نہیں مارا......اس پر حملہ کسی اسلامی جمعیت نے بھی نہیں کیا......، اور نہ ہی کسی مولوی نے اسے گستاخ ڈکلیئر کیا تھا......، بلکہ ابتدائی رپورٹس کے مطابق حملہ کرنے والا گروہ قوم پرست تنظیم ''پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن'' سے تعلق رکھتا ہے۔ جو فکری طور پر لبرل ذہنیت پر مبنی تنظیم ہے۔ جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط ناچ گانے کی محافل پر یقین رکھتی ہے۔ لیکن اس واقعے کے بعد لبرلز اور مذہب بیزار تمام عناصر کی توپوں کا رخ ملا اور مسجد کی طرف ہوگیا ہے۔ لبرل اور موم بتی مافیا اس واقعے کو کیش کرانے کے لیے سارا ملبہ مُلا پر ڈال رہا ہے اور لٹھ لے کر مولویت کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ حالانکہ مشال خان کا قاتل مولوی نہیں مسٹر ہے پھر بھی مولوی کو مورد الزام ٹھہرانا انتہائی قابل مذمت ہے۔ مگر ''پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کا مذہبی نہ ہونے کے باوجود یہ اقدام اس لیے بھی باعث تعجب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے بارے میں پاکستانی قوم بہت ہی حساس ہے۔ تاریخ کے صفحات میں یہ عجیب حقیقت مرقوم ہے کہ ہمارے ایک معروف شاعر اختر شیرانی نے شراب کے نشے میں دھت ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے خلاف سوال اٹھانے پر ایک گورے صحافی کے سر پر شراب کا گلاس دے مارا تھا۔ لہٰذا پاکستانی سماج میں رہتے ہوئے پاکستانی قوم کی اس حساسیت کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ لیکن افسوس کہ سوشل میڈیا پر موجود دیسی لبرل اور ملحد طبقہ اس واقعے پر جس طرح مذہب کو آڑے ہاتھوں لیے ہوئے ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ مشتعل ہوں گے اور یوں پھر کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ انتہائی قابل مذمت امر ہے کہ چند سر پھرے عقل سے پیدل افراد سوسائٹی میں اپنی نجی عدالت لگا کر فیصلے کرنے لگیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی

ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ جہاں ریاست کی گرفت کمزور ہو ریاست کے نظام عدل و انصاف پر لوگوں کو اعتماد اور بھروسہ نہ ہو وہاں اس طرح کے کسی سانحے کا رونما ہو جانا کوئی اچھنبے کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ بدقسمتی سے پاکستانی عدلیہ کی کارگردگی سب کے سامنے ہے۔ جہاں سے آج تک توہین مذہب کے مرتکب کسی ایک بھی فرد کو سزا نہیں ہوئی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ گستاخانہ پیجز چلانے والے قانون کو ٹھنگا دکھا کر بلا روک ٹوک ملک سے باہر فرار ہو گئے ہیں۔ جبکہ ان کے وکیل اور سہولت کار صبح و شام بعض ٹی وی چینلز پر مذہب کو کوسنے ملا کو للکارنے اور مدارس کو جلی کٹی سنانے میں مصروف ہیں۔ انھیں اس مذموم آزادی اظہار کی چھوٹ آخر کس نے دے رکھی ہے؟ اسی طرح ہماری عدلیہ محترمہ کا حال بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ جس نے 5ارب کی کرپشن کرنے والے شرجیل میمن، 470 ارب کی کرپشن کرنے والے ڈاکٹر عاصم، 8ارب 80 کروڑ کی کرپشن کرنے والے حامد سعید کاظمی کو باعزت بری کر دیا جبکہ صرف ایک ہزار روپے کا دھنیا چوری کرنے والا درجن بھر بچوں کا مجبور باپ جیل میں سڑ رہا ہے۔ ہماری اخلاقی پستی کا عالم یہ ہے کہ ایک غریب کا بچہ قابو آ جائے تو پولیس مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے۔ جبکہ لشکارے مارتی ایان علی کو عدالت میں پیش کرتے وقت پولیس والے اس کا میک اپ بکس اٹھائے آگے پیچھے گھومتے ہیں۔ ذرا دل کی کہیے کہ ایسی عدلیہ اور ایسے قانون کے رکھوالوں پر عام آدمی کیوں اور کیسے بھروسہ کر سکتا ہے؟ چنانچہ اس صورت حال میں ملک سے تشدد کو ختم کرنے کے لیے اگر ہم سب سنجیدہ ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اپنے نظام انصاف کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہوگا۔ عدلیہ کے بارے میں معاشرے کے اعتماد کو بحال کرنا ہوگا توہین مذہب کے ملزموں کو کٹہرے میں کھڑا کرنا ہوگا اور جھوٹے الزام بازوں کو بھی آہنی شکنجے میں کسنا ہوگا۔ ورنہ یاد رکھیں ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

(مطبوعہ: روزنامہ ’’پاکستان‘‘ 24 اپریل 2017ء)

not found.

سودی نظام اور وفاقی شرعی عدالت کا حالیہ فیصلہ

مولانا زاہد الراشدی

وفاقی شرعی عدالت نے گزشتہ دنوں سودی نظام کے بارے میں مقدمہ کی سماعت یہ کہہ کر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی ہے کہ جب سود کو حرام قرار دیا گیا تھا اس وقت حالات آج سے مختلف تھے، جبکہ آج کے حالات میں سود، ربوا اور انٹرسٹ کی کوئی متعینہ تعریف اور ان کے درمیان فرق واضح نہیں ہے اس لیے ان حالات میں مقدمہ کی سماعت کو جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ اس حوالہ سے ملک بھر میں اہل دین اور اہل علم کی طرف سے اظہار خیال کا سلسلہ جاری ہے اور پاکستان شریعت کونسل نے بھی گزشتہ روز راولپنڈی میں ایک مشاورت کا اہتمام کیا جس میں اسلام آباد اور راولپنڈی کے سرکردہ علماء کرام شریک ہوئے اور انسداد سود رابطہ کمیٹی اسلام آباد کے کنوینر مولانا محمد رمضان علوی نے اس کی صدارت کی۔ راقم الحروف نے بھی اس موقع پر کچھ گزارشات پیش کیں اور علماء کرام سے عرض کیا کہ وہ اس اہم اور سنگین مسئلہ کے بارے میں بے توجہی اور لاپرواہی کے طرز عمل پر نظر ثانی کرتے ہوئے سنجیدہ اور موثر کردار ادا کرنے کی کوئی عملی صورت نکالیں جو شرعاً ان کی ذمہ داری بنتی ہے۔ اجلاس میں ان دونوں اسباب پر غور کیا گیا جو مقدمہ کی کارروائی کو غیر متعینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کی وجہ کے طور پر بیان کیے گئے ہیں اور شرکا اجلاس نے ان سے اتفاق کرتے ہوئے اس موقف کو عذر لنگ قرار دیا۔ اس لیے کہ سود کی حرمت کا اعلان قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں خود قرآن کریم نے کیا تھا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج الوداع کے تاریخی خطبہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی عملی ممانعت اور خاتمہ کا اعلان فرمایا تھا۔ اس وقت قرض اور تجارت دونوں شعبوں میں سود معاشرہ میں ہر طرف عام تھا۔ تجارت بھی سود کے حوالہ سے ہوتی تھی جیسا کہ طائف کے بنو ثقیف کے نمائندہ وفد نے قبولِ اسلام کے موقع پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات بطور شرط پیش کی تھی کہ چونکہ ان کی تجارت دوسرے قبائل اور قوموں کے ساتھ سود کے ذریعہ ہوتی ہے اور سود کو ختم کرنے کی صورت میں ان کا تجارتی نظام متاثر ہوگا اس لیے وہ سود نہیں چھوڑ سکیں گے۔ ان کی بعض دوسری شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد کر دی تھیں اور وہ اپنی شرائط واپس لے کر دائرہ اسلام میں غیر مشروط طور پر داخل ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج الوداع کے موقع پر اپنے چچا محترم حضرت عباس کی طرف سے لوگوں کو دیے گئے قرضوں پر سود کی رقم معاف کرنے کا اعلان فرمایا تھا، یہ واضح طور پر قرض کا سود تھا۔ اس لیے یہ کہنا کہ تجارت کا سود الگ ہے اور قرض کا سود اس سے مختلف ہے، جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تشریح و تعبیر کے یکسر منافی ہے، اور اس وقت قرض اور تجارت کے دونوں شعبوں میں جو سود جاری تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو یکسر ختم کر کے معاشرے کو اس سے نجات دلائی تھی۔ آج بھی صورتحال وہی ہے کہ قرض اور تجارت دونوں حوالوں سے سود کا کاروبار جاری ہے جس کی خرابیاں بلکہ تباہ کاریاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالمی سطح پر بھی سودی نظام کی تباہ کاریوں کو محسوس کرتے ہوئے اس سے انسانی سوسائٹی کو نجات دلانے کی صورتیں تلاش کی جا رہی

ہیں۔ پاکستان کے دستور میں سودی نظام کے خاتمہ کو حکومت کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے اور سپریم کورٹ آف پاکستان بھی حکومت کو یہ ذمہ داری پورا کرنے کے لیے کہہ چکی ہے۔ چنانچہ اس سودی نظام کو جاری رکھنے کا موقع فراہم کرنا، اس کے بارے میں شرعی و دستوری تقاضوں کو مسلسل ٹالتے چلے جانا اور اس کے لیے حالات کے مختلف ہونے کا غیر حقیقی بہانہ پیش کرنا وفاقی شرعی عدالت کے لیے انتہائی نامناسب بات ہے اور ہم وفاقی شرعی عدالت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس غیر حقیقت پسندانہ موقف پر نظر ثانی کرتے ہوئے سودی نظام کے بارے میں مقدمہ کی سماعت جاری رکھے اور اسے جلد از جلد منطقی نتیجے تک پہنچایا جائے۔ اجلاس میں سود، ربوا اور انٹرسٹ کی تعریف اور ان کے درمیان فرق کی بحث کو بھی بے مقصد قرار دیا گیا اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا گیا کہ ان معاملات پر وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں مسلسل دو عشروں تک بحث ہوتی رہی ہے اور ان سارے امور پر سیر حاصل بحث کے بعد آخری فیصلہ بھی صادر کیا جا چکا ہے جسے نظر ثانی کے عنوان سے ٹال مٹول کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ اگر اس طرح طے شدہ معاملات کو ری اوپن کرنے کی روایت کی حوصلہ افزائی کی گئی تو دستوری اور عدالتی نظام شدید خلفشار کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس لیے پاکستان شریعت کونسل اور انسداد سود رابطہ کمیٹی اسلام آباد کی درخواست ہے کہ وفاقی شرعی عدالت اس ساری صورتحال کا ازسرِ نو جائزہ لیتے ہوئے مقدمہ کی سماعت شروع کرنے کا فوری اعلان کرے۔ اجلاس میں اس رائے کا بھی اظہار کیا گیا کہ اس سلسلہ میں اصل ذمہ داری حکومت پاکستان کی ہے کیونکہ دستور میں اسے واضح ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سودی نظام کے جلد از جلد خاتمہ کا اہتمام کرے۔ اس لیے ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی دستوری ذمہ داریوں سے انحراف کے راستے تلاش نہ کرے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی جامع سفارشات کے مطابق ملک کو منحوس وملعون سودی نظام سے نجات دلانے کے لیے اقدامات کرے۔ اس سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا کہ حکومت پاکستان سے سودی نظام کے جلد خاتمہ کے مطالبہ کو منظم طور پر سامنے لانے کے لیے انسداد سود رابطہ کمیٹی اسلام آباد کو متحرک کیا جائے اور اس میں تمام مکاتب فکر کے علما کرام، تاجروں، وکلا، اساتذہ اور دیگر طبقات کے رہنماں کو شامل کر کے ایک وسیع فورم کی شکل دی جائے اور رائے عامہ کو متحرک کرنے کے لیے منظّم تحریک چلائی جائے۔ اجلاس میں مردان یونیورسٹی کے افسوسناک واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے اس سے پیدا ہونے والی صورتحال پر غور کیا گیا اور اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ سپریم کورٹ نے اس کا فوری نوٹس لے لیا ہے جس سے اصل حالات وحقائق تک پہنچنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی موثر اور قابل اعتماد صورتحال سامنے آئی ہے اور امید کی جا رہی ہے کہ قوم اس سلسلہ میں صحیح حقائق سے جلد آگاہ ہوگی۔ اجلاس میں اس رائے کا بھی اظہار کیا گیا کہ توہین رسالت اور توہین مذہب بلاشبہ سنگین ترین جرم ہے جس کے لیے مروجہ قوانین پر نظر ثانی قابل قبول نہیں ہے بلکہ ان پر عملدرآمد ضروری ہے۔ مگر توہین رسالت اور توہین مذہب کا کسی پر غلط الزام لگانا بھی اسی طرح سنگین ترین جرم ہے جس کی روک تھام کے لیے پہلے سے موجود قوانین پر عملدرآمد کے ساتھ حسب ضرورت قانون سازی کی جانی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس نازک مسئلہ پر میڈیا کے کردار اور طرز عمل کا بھی سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے میڈیا کے مختلف شعبوں اور دائروں کو ضروری قیود وحدود کا پابند بنائے تاکہ ایسے مواقع پر رائے عامہ کو افراتفری اور خلفشار کے ماحول سے بچانے کا اہتمام کیا جا سکے۔

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس نے کیا کہہ دیا!!

انصار عباسی

گزشتہ منگل کے روز جنگ اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس ریاض احمد خان نے سود کے متعلق کیس کو سنتے ہوئے ریمارکس دیے کہ جس وقت سود کی ممانعت کا حکم ہوا اس وقت کی معیشت آج سے مختلف ہے۔ چیف جسٹس شرعی عدالت نے کہا کہ سوال یہ ہے کہ اس وقت کے نظام کو آج کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ interest کی تعریف سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ خبر پڑھ کر یقین نہیں آیا کہ یہ سوال شرعی عدالت کے چیف جسٹس نے اٹھائے ہوسکتا ہے کہ وہ سود کے متعلق ایک خاص طبقہ فکر کے ذہن میں موجود سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے ایسے سوال اٹھا رہے ہوں ورنہ ایک شرعی عدالت میں ایسی بات کیسے کی جاسکتی ہے کہ سود کے متعلق احکام کا تعلق اس دور کی معیشت سے تھا جب قرآن پاک نازل ہوا۔ یہ تو وہی بات ہوئی جو مغرب اور مغرب زدہ دیسی ترقی پسند اور ''روشن خیال'' بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کو نئے دور کے ساتھ اپنے آپ کو بدلنا چاہیے۔ یہ وہی طبقہ ہے جس کے لیے کہا گیا کہ ''خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں'' ایک مسلمان کے لیے شرعی احکامات کی حیثیت اٹل ہے۔ جو حکم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے واضح طور پر آ گیا وہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے، اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے اسی کے مطابق ہمیں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینا ہے اور اس کے لیے وقت یا دور کی کوئی اہمیت نہیں۔ سود کے متعلق اسلام کے احکامات واضح ہیں اور اسی بنا پر وفاقی شرعی عدالت نے 1991ء میں اپنے فیصلہ میں پاکستان میں رائج سود کی تمام اقسام کو قرآن اور سنت کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمہ کا حکم دیا تھا۔ اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا لیکن سپریم کورٹ نے بھی شرعی عدالت کے حکم کی تائید کرتے ہوئے حکومت کو سود کے خاتمہ کا حکم دیا۔ بعدازاں جنرل مشرف دور میں سپریم کورٹ نے یہ معاملہ دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کر دیا اور ہدایت دی کہ اس معاملہ کو دوبارہ دیکھا جائے۔ شرعی عدالت کے 1991ء کے فیصلہ کو لٹکانے اور پھر ادھر سے ادھر بھیجنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ کوئی حکومت سودی نظام کے خاتمہ کے لیے سنجیدہ نہ تھی۔ سال 2002ء میں یہ معاملہ شرعی عدالت کے سپرد کیا گیا اور آج سال 2017ء میں اسی کیس کو ابھی تک سنا جا رہا ہے۔ ان پندرہ سالوں میں شاید اس کیس کو پندرہ بار بھی نہیں سنا گیا اور معاملات جیسے چل رہے ہیں اگر ایسے ہی چلتے رہے تو محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اس کیس کا فیصلہ آنے میں شاید ایک آدھ صدی انتظار کرنا پڑے۔ کیس کس سست روی سے چل رہا ہے وہ ایک الگ بحث ہے لیکن ماضی میں اس کیس سے جڑے ایک اہم فرد سے آج بات ہوئی تو ان کا کہنا تھا کہ سود کے متعلق شرعی عدالت اور پھر

سپریم کورٹ میں نوے کی دہائی میں طویل بحث ہوئی اس میں ہر زاویے سے اس معاملہ کو گہرائی سے دیکھا گیا جس کے نتیجہ میں ملک کی اعلیٰ عدلیہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ سودی نظام کو ختم کیا جائے کیونکہ یہ نظام معیشت اسلامی احکامات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ان صاحب کا کہنا تھا کہ شرعی عدالت کو چاہیے کہ اپنے پرانے فیصلہ کے ساتھ ساتھ سپریم کورٹ اپیلیٹ بنچ کے فیصلے کو پڑھ لیں تو بہت سے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ ورنہ اگر ہم مغرب یا مغرب سے مرعوب یہاں موجود ایک طبقہ کی سوچ کو اہمیت دینے بیٹھ جائیں گے تو سود کے ساتھ ساتھ دوسرے شرعی احکامات کے تقدس کی بھی پامالی ہوگی۔ کیا اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد یہ بات نہیں کرتے کہ مسلمان خواتین کے لیے پردہ کا حکم تو اسی دور کے لیے تھا؟ یہ طبقہ تو اسلامی ریاست کو مانتا ہی نہیں اور ریاست کے سیکولر ہونے کی بات کرتا ہے تا کہ شرعی احکامات کے نفاذ کا کوئی سوال ہی نہ اٹھائے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' 13 اپریل 2017ء)

cd's.JPG not found.

اُس پار کا منظر

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ایک ہندوستانی اپنے انگریز دوست کے ہمراہ گپ شب میں مصروف تھا۔اس نے انکشاف کیا کہ ہم نے ایک ایسی چیز بنائی ہے جس سے ہم دیوار کے اس پار دیکھ سکتے ہیں۔انگریز بولا واؤ! وہ کیا چیز ہے؟اس نے اسے اپنی بیٹھک کی دیوار میں ایک خفیہ سوراخ دکھایا اور کہا آپ خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ دور تک دوسری طرف کے مناظر نظر آرہے ہیں۔

انگریز بیچارا اس کی بات سمجھا نہیں مگر چودہ صدیاں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیکڑوں میل دور بہ مشیت الٰہی مجاہدوں کو دیکھ لیتے تھے،ان کو عسکری ہدایات دے لیتے تھے۔بے دھڑک بلا خوف بیت المقدس کے یہودیوں ،عیسائیوں کے سامنے جا کھڑے ہوتے تھے۔اس زمانے کے یہودی عیسائی بھی اتنے نابینا نہ تھے عمر کے لباس میں چودہ پیوند دیکھ کر بیت المقدس کے خزانوں کی چابیاں ان کے حوالے کردیا کرتے تھے۔وہ تورات وانجیل اور آسمانی صحائف میں لکھی اصحابِ رسول (وَالذین مَعَہٗ) کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتے تھے۔ایک سوراخ دور تک کا منظر دکھا دیتا ہے تو آسمانی صحائف آج کیوں حقائق نہیں دکھاتے کاش سردار جی اور ان کے ساتھی حقائق کو دیکھنے کی کوشش کریں سابق آسمانی کتابیں جگہ جگہ آخری آنے والے کی باتیں سنا رہی ہیں۔وہ صدیوں پہلے کھجوروں کے دیس میں آکر اسی لیے آباد ہوئے تھے کہ آخری آنے والے کا استقبال کریں گے۔ان کی نصرت کریں گے۔ان کے وجود مسعود کی برکت سے فتح یاب ہوں گے۔پھر جب وہ آخری آنے والا آگیا۔اسے پہچان بھی لیا مگر انکار کردیا۔

''یہ ہمارے خاندان ہماری قوم میں سے کیوں نہ آیا؟'' سردار ابن اُبَی نے دیکھ کر منافقت اپنائی اور اہل کتاب بنو قریطہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع نے ''واؤ'' کرنے پر اکتفاء کیا۔ ہاں عبداللہ بن سلام جیسے خوش نصیبوں نے حق کو دیکھا اسے قبول کیا اور معیار حق بن کر تا قیامت نشان منزل بن گئے۔یہی خوش نصیب اصحابِ رسول وہ رہنمایان عرب وعجم بنے کہ جدھر رخ کیا ادھر روشنی پھیل گئی۔ایران کی آتش بجھ گئی۔یمن میں نور چھا گیا، روم اور شام کی تاریکیاں بستر لپیٹ کر ربع سکوں کے مغربی کناروں کی طرف بھاگتی نظر آئیں۔لیکن آج اہل حق بھی مغرب کے اندھیروں میں حق ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ حق موجود نہیں رہا بلکہ اس لیے کہ تہذیب جدید کی چکا چوند سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔آج بھی اگر حق کی روشنیوں کی تلاش ہے تو وہ ضرور مل سکتی ہیں مگر پہلے اہل حق کو ایک دوسرے کا حق ادا کرنا ہوگا آپ کا اتحاد، ایک دوسرے کی مدد اور نصرت بلکہ ایثار اور قربانی،صدق وصفا،امانت جرأت واستقامت،اپنی استطاعت کے مطابق باطل کے خلاف تیاری اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوق کے لیے رحمت پھر اس دنیا کے اس پار مومن کی جنتیں ضرور نظر آرہی ہوں گی۔البتہ عدل وامن اور اعلاء کلمۃ اللہ میں جہاں رکاوٹ پیدا کی جائے تو بہ قول شاعر مشرق منظر کچھ یوں ہوگا۔

ہو محفل یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

معارف الحدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمتہ اللہ علیہ

خرید وفروخت کے متعلق احکام وہدایات

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ بَيْعِ الثِمَارِ حَتّٰى يَبْدُو صَلَا حُهَا نَهىَ الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِىْ. (رواہ البخاری ومسلم)

وَفِىْ رَوَايَةٍ لِمُسْلِم نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَ عَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَا مَنَ الْعَاهَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے آپ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

تشریح: جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے بہت پہلے بھی فروخت کردی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کردیے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کردیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی، کیوں کہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کردیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہوجائے تو بیچارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارہ میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہرحال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَم عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تَزْهِىَ، قِيْلَ وَمَاتَزْهِىَ؟ قَالَ حَتّٰى يَحْمَرَّ، وَقَالَ اَرَأَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَمْرَةَ بِمَا يَا خُذُ اَحَدُ كُمْ مَالَ اَخِيْهِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا تا آنکہ ان پر رونق آجائے عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے۔ (اس کے بعد) آپ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہوجائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہوگیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا سب برباد ہوگیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہیے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کردے اور اگر ایسا نہیں بلکہ کچھ نقصان ہوگیا ہے تو اس کا لحاظ کرکے قیمت میں تخفیف اور کمی کردے۔ ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

چند سالوں کے لیے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نهیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الجَوائِح

(رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کردینے کا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: باغ کی فصل کئی سال کے لیے فروخت کرنے سے اسی لیے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں اور باقی رہے گا یا خدانخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں بیچارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہوگا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہیے کہ نقصان کا لحاظ کرکے قیمت میں کمی اور تخفیف کردے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہل معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف ونزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی وغمخواری اور ایثار وقربانی کا عادی بنانا ہے۔

(مطبوعہ: معارف الحدیث، ج:۷، ص:۱۲۳ تا ۱۲۵)

جنت درآغوش

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ، ترجمہ واستفادہ: صبیح ہمدانی

جان لو کہ اللہ تعالی کی معرفت وہ جنت ہے جو عارفین کو موت سے پہلے ہی حاصل ہوگئی۔ گویا یہ قیامت کے بعد ملنے والی اس غائب از نظر اور موعودہ جنت کے مقابلے میں حاضر وموجود جنت ہے۔ وہ ایسے کہ جنت اسی کا نام ہے کہ تمھیں وہ حاصل ہو جائے جو تمھاری عقل کے ساتھ ساتھ تمھارے نفس کو بھی پسند ہو۔ اسی وجہ سے جنت سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے جنت نہ رہی تھی کہ ان کی عقل یہ سمجھتی تھی کہ اس شجرۂ ممنوعہ سے استفادہ اچھا نہیں جبکہ ان کا جی اس درخت کا پھل کھانے کو چاہتا تھا، جہاں عقل اور جی کی چاہت میں جھگڑا ہو جائے اس مقام کو جنت نہیں کہہ سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قبر مومن کے لیے جیل خانہ نہیں ہوگی کیونکہ وہاں اسے ایسے احوال حاصل ہوں گے جو اس کی عقل کو بھی پسند آئیں گے اور اس کے نفس کی خواہش کے مطابق بھی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالی کی معرفت ایسی چیز ہے کہ جس کی تلاش میں عقل بھی ہے اور نفس بھی اس کا پرشوق طالب ہے، چنانچہ جنت مطلقہ یہی ہے۔

ہم نے یہ جو کہا کہ عقل ونفس دونوں اس کی معرفت کے طالب ہیں اس کی وضاحت میں یہ سنو کہ عقل اس دنیا میں ہمیشہ ایک عدل اور ایک ترتیب کی ضرورت محسوس کرتی ہے، عقل کو ایسے حاکمِ عادل، ایک ایسے امین کی ضرورت ہے جس کے پاس نیکیاں جمع کرائی جا سکیں۔ جبکہ شہوتِ نفسانی ہمیشہ ایسے سخی کو ڈھونڈتی ہے جس کی بارگاہ سے جڑ کر اس کو لذتیں ملیں اور ملتی رہیں۔ بلکہ عقل اس خود آگاہ انسان کی طرح ہے جو اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے کسی کے سامنے خود کو جھکانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جبکہ خواہشِ نفس اس موقع پرست درباری کی طرح ہے کہ جہاں کہیں کسی بادشاہ یا کسی غنی کے آنے کی خبر سنتا ہے تو اس کے دربار میں جا کر فائدہ یاب ہونے کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ عقل اپنے مالک کی تلاش میں اس وجہ سے ہے کہ اب تک پانے والی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرے اور اسے بتائے کہ وہ خود کو اس کا احسان مند سمجھتی ہے، جبکہ نفس کو اس کی تلاش اس وجہ سے ہے کیونکہ اسے لالچ ہے کہ اس کا مولیٰ اس کو آئندہ بھی سب لذتیں فراہم کرتا رہے گا۔

جب عقل ونفس دونوں کو اپنے مالک کا پتا معلوم ہوا، اور انھیں ادراک ہوا کہ وہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے کی انھیں تلاش تھی... ان کے حال سے پوری طرح آگاہ، اور لافانی ولامتناہی خزائن کا مالک... تو یہ دونوں اس کے دامانِ دولت و معدلت سے لپٹ گئے۔ عقل گویا ہوئی مولیٰ میں تیرے سوا کسی کی احسان مند نہیں ہوں اور شہوت نے کہا مالک میں تیرے دروازے کے سوا کسی پر دست سوال دراز نہ کروں گی۔

پھر شبہہ آیا اور عقل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: تو نے اسی ایک کو شکر کے قابل کیوں سمجھ لیا؟ شاید کوئی اور بھی اس جیسا ہو۔ اور خواہشِ سے کہا: تو نے اسی ایک دروازے کی گدائی پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کیوں کر لیا؟ ہوسکتا ہے اس کے سوا کوئی اور بھی منعمِ لذات ہو۔ اس پر عقل حیرت زدہ رہ گئی، اس کی ساری راحتِ وصال اور مقصود کو پا لینے کی خوشی بے کیفی میں بدل گئی، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ استدلال کے سمندروں میں تب تک غوطہ زن رہے گی جب تک گوہر یقین اس کے ہاتھ نہیں آجاتا۔

اس پر حضرتِ حق جل اسمہ کو رحم آیا اور گویا وہ یوں فرمانے لگے: میں اپنے بندے کے عیش کو منغص کیسے کر دوں؟ اسے میری خدمت اور میرے شکر کی جو لذتیں حاصل ہوئی تھیں وہ کیونکر اس سے چھین لوں؟ چنانچہ انھوں نے اپنے پاک پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے بندے کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ اپنی طرف سے اسے مت کہنا بلکہ یوں کہنا کہ جس ذات کو تم نے سب سے صادق پایا ہے میرا سچا مالک وہی ہے اور اس کا مجھے حکم ہے: قل ہو اللہ احد: جا کر کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی شکر و احسان مندی کے لائق نہ اس کے بابِ عالی کے سوا کسی دروازے میں میری حاجت روائی کی ہمت۔

تین محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت

''ہمیں اس ملک میں اس راہ کو اختیار کرنے کی بڑی ضرورت ہے کہ ہمارے متعلق جو غلط فہمی ہے وہ دور ہو اور اسلام کو امن وسلامتی کا دین سمجھا جائے، اور ایسا انسانی معاشرہ بنایا جائے جس میں سب کو امن وچین حاصل ہو اور مسلمان انسانیت نواز اور امن وسلامتی کا رہبر سمجھے جائیں، اس کے لیے اصلاً تین محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ مسلمان اپنے اخلاق وسیرت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی طرف توجہ دیں، دوسرے یہ کہ ان کے متعلق غیر مسلموں میں جو غلط فہمیاں ہیں، ان کو دور کرنے کے متعلق تدابیر اختیار کریں، اور تیسرے میڈیا کا ذریعہ جس کو دنیا انسانیت کی تخریب کے لیے استعمال کر رہی ہے، ہم اس کو انسانیت اور انسان کے اخلاق وسیرت کی بلندی تک لے جانے کے لیے استعمال کریں، یہ تینوں ذرائع اگر ہم استعمال میں لائیں گے تو اس سے ہمارے متعلق دوسروں کی بدگمانی خوش گمانی سے بدل جائے گی اور ہم امن وسلامتی اور سربلندی کے ساتھ زندگی گذار سکیں گے۔''

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

بے نمازی

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

منافق کی پہچان کئی طرح ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی منافق کی ایک پہچان بتائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ قریش کو سب سے پہلے اونچی آواز سے قرآن سنانے والے وہی تھے۔ اس کے لیے انھیں بڑے سخت امتحان سے گزرنا پڑا لیکن ایمان کے آگے امتحان کی پروا کسے تھی۔ جب مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر انھوں نے قریش کو سورۂ رحمٰن سنائی تو پہلے وہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہے کہ یہ کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی نے کہا یہ وہی ہے جو ان کے صاحب پر نازل ہوتی ہے! بس یہ سننا تھا کہ مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر اتنا مارا کہ منہ سوج کر کپا ہو گیا اور خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ جب اہلِ ایماں میں واپس پہنچے تو کسی نے ان سے کہا کہ ابن ام عبد! اسی لیے ہم تمھیں منع کرتے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے جواب دیا: یہ تو کچھ بھی نہیں۔ تم لوگ کہو تو میں کل پھر انھیں اللہ کا کلام سنا کر آؤں! حالت یہ تھی کہ مار پڑنے کے ماوجود رکتے نہ تھے۔ برابر اللہ کا کلام سناتے جاتے تھے۔ جب سورۃ تمام ہوئی تب ہی رکے۔ مار پٹائی کی ذرہ بھر پروانہ کی۔ جب بھی ان دنوں کو یاد کرتے تو کہتے تھے کہ مشکرین مکہ اس دن سے زیادہ ان کی نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا کہنا تھا کہ منافق نماز سے بھاگتا ہے ورنہ ہم نے کسی مسلمان کو نماز سے جی چراتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام میں بعض ایسے بوڑھے اور کمزور حضرات بھی تھے جو دو آدمیوں کے سہارے آتے اور جماعت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ صبح اور عشاء کی نمازوں میں حاضری ایمان کی نمایاں نشانی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض صراحتوں کے مطابق صبح کا دوگانہ فرض تمام رات نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔

اللہ کے رسولِ آخریں کا ارشاد ہے کہ رب العزت کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وقت پر نماز کا ادا کرنا ہے۔ ایک اور ارشادِ گرامی کا مطلب ہے کہ بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کی پوچھ ہوگی تارکِ نماز کا ایمان باقی نہیں رہتا اس لیے اس کی گواہی بھی قابل قبول نہیں۔

نماز ارکانِ ایمان کا سب سے بڑا، سب سے اہم اور سب سے زیادہ مفید رکن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اسلامی مملکت کے کاموں میں سب سے اہم نظامِ صلوٰۃ ہے۔ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ اپنے دین کو

محفوظ رکھتے ہیں۔ جونماز کھودیتے ہیں وہ نماز کی برکتوں ہی سے محروم نہیں رہتے بلکہ اور بھی سب کچھ کھودیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاف کہتے تھے کہ جس نے نماز چھوڑ دی اس کے لیے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

حکم ہے کہ چھ سات سال کی عمر سے بچوں کو نماز کی طرف مائل کرو۔ جب وہ دس برس کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز نہ پڑھنے والے بچوں پر سختی کرنے اور انھیں مارنے کا حکم ہے۔ ساری بات گھر کے ماحول اور ماں باپ کی توجہ کی ہوتی ہے۔ ابن اثیر نے بنو عباس کے واقعات میں ہشام بن عبدالملک کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے شہزادوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ خاص طور پر یہ دیکھتا تھاہ جمعہ کی نماز میں وہ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک بیٹے کو نماز سے غیر حاضر پایا۔ مسجد سے لوٹا تو سب سے پہلے اسے بلا کر پوچھا کہ جمعہ چھوڑنے کی وجہ؟ اس نے کہا وقت پر سواری نہیں پہنچی تھی۔ خلیفہ نے پوچھا کیا مسجد تک پیدل تک نہیں جاسکتے تھے؟ کچھ دیر خاموشی رہی تو حکم دیا کہ ایک سال تک اس کے لیے سواری بند۔ یہ نماز نہ پڑھنے کی ادنیٰ سزا ہے۔ غالباً یہ شہزادہ دس برس سے کم عمر کا تھا۔

بچوں کو نماز کا پابند بنانا ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اپنے ماتحت کو نماز کا پابند بنانا حاکم کی ذمہ داری ہے جو اسے بھول جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جواب دہ ہیں۔ شوہر اور بیوی میں یہ ذمہ داری دونوں کی ہے کہ ایک دوسرے کو نماز کا پابند بنائیں نماز نہ پڑھنے والی عورت کو طلاق دے دینے کا حکم ہے چاہے اس کا شوہر مہر دینے سے عاجز ہو۔ لین دین اور کاروبار کی وجہ سے اگر کسی نے نماز ترک کر دی تو اس کا حشر رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھ ہوگا جس نے حکومت اور اقتدار کی کارروائیوں میں پھنس کر نماز چھوڑ دی وہ فرعون کا ساتھی بنایا جائے گا اور روپے پیسے کی افراط کی وجہ سے نماز کو بھول جانے والا قیامت میں قارون کے ساتھ اٹھے گا۔ (طوبیٰ، ص: ۲۷۳، ۲۷۵)

ماہانہ مجلس ذکرو اصلاحی بیان

25 مئی 2017ء
جمعرات بعد نماز مغرب

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

ابن امیرِ شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ درسِ قرآن ہوتی ہے

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

دو ''رداءِ تطہیر''

محمد یوسف شیخوپوری ☆

اہل السنّت والجماعت کے ہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس طرح ایمان کا حصہ ہیں بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت عظام بھی ایمان کا حصہ ہیں۔ جیسے چہرے کی دونوں آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے ایسے ہی ہم عقیدت کی نگاہ سے دونوں کو سر کا تاج سمجھتے ہیں اور یہ محض افسانہ یا الفاظ گوئی ہی نہیں بلکہ حقائق و براہین اس پر شاید ہیں ہمارا کلمہ وہ ہے جو ان دونوں کا تھا، نماز اور طریقہ نماز اوقاتِ نماز اور مقامِ نماز، زکوٰۃ، حج وعمرہ، صوم و دیگر تمام عبادات اور ان کے طریقے وہ ہی ہیں جو ان دونوں کے ہیں۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پہ آئے ہیں، اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے ہیں، ہم در والوں کے بھی غلام ہیں گھر والوں کے بھی غلام ہیں، ہماری تفسیر وحدیث اسی طرح تاریخ ورجال کی کتب میں جیسے مناقبِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ایسے ہی مستقل ابواب اور فصلیں قائم کر کے اہل بیت کے فضائل ومناقب بھی موجود ہیں اس کی ادنیٰ سے جھلک ہدیہ قارئین ہے جس سے ہماری فراخ دلی اور وسعت ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کی کتب حدیث میں ایک مشہور روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو پھیلایا اور اس کے نیچے چار حضرات، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو لیا اور یہ دعا فرمائی ''اَللّٰھم ھٰؤلآءِ اَھْلُ بَیْتِی فَاذْھَبْ عَنْھم الرِّجْسَ و طَھِّرْھُمْ تَطْھِیرا'' اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے گناہوں کی آلودگی ختم فرما کر ان کو پاک کر دے (ترمذی ومسلم) جس چادر کو رداءِ تطہیر کا نام دیا جاتا ہے بغیر اختلاف کے ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے نبی بھی پاک ہیں اور آپ کی چادر بھی پاک ہے۔ ''وَثِیابَکَ فَطَھِّرْ'' (مدثر) اور پاک چادر کے نیچے آنے والے یہ چاروں حضرات پاک ہیں ہمارے ایمان کا حصہ ہیں۔

اب ذرا چشم انصاف سے احادیث کی دوسری طرف توجہ فرمائیں کاتب وحی، خال المؤمنین، امام تدبر وسیاست فاتح عرب وعجم، اسلامی بحری بیڑے کے موجد، ہادی ومہدی امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جیسے اور بہت سی بشارتیں اور مناقب احادیث میں وارد ہوئے ہیں ان میں سے صرف چار کا ذکر پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک قینچی نما (لوہے کا آلہ جس سے بالوں کو کاٹا جاتا تھا) چیز سے کاٹ کر اپنے پاس سنبھال کر رکھے ہوئے تھے ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن معاویہ رضی اللہ عنہ قال قَصَّرْتُ عَنْ رَأْسِ رسولِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِشْقَصٍ'' (بخاری ومسلم) کس قدر حضرت معاویہ کا اعزاز ہے کہ

☆ استاذ جامعہ امدادیہ چنیوٹ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کاٹنے بھی نصیب ہوئے پھر اس کو سنبھال کر اپنے پاس آخر عمر تک رکھا۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے بھی تھے جو انھوں نے اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے اور بالوں اور ان ناخنوں کے متعلق وصیت فرمائی جب میرا انتقال ہو جائے تو ناخن مبارک کے تراشے اور موئے مبارک کو میرے کانوں کی زینت بنا دینا میری آنکھوں کا کاجل بنا دینا اور میرے ناک میں رکھ دینا امید ہے کہ ان کی برکت سے اللہ رحمت فرمائیں گے۔ علامہ ابن عساکر اور بلاذری وغیرہ نے نقل فرمایا: ''و قَلَّمَ اَظْفَارَهٗ فَاَخَذْتُ قُلاَ مَتِهاَ فَاِذَا مِتُّ (فَاَ لْبِسُوْ نِیْ الْقَمِیْصَ) فَا جْعَلُوْ هَا فِیْ عَیْنِیْ و فی روایۃ اَنْفِیْ وَاُذُ نِیْ وَعَیْنِیْ وَفَمِیْ ......الخ''

(۳) ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے دوران وضو آپ علیہ السلام نے شفقت فرماتے ہوئے فرمایا اے معاویہ کیا میں تجھے اپنی قمیص نہ پہناؤں؟ آپ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ضرور عنایت فرمائیں تو آپ نے قمیص مبارک آپ رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا حضرت معاویہ فرماتے ہیں میں نے وہ قمیص مبارک کچھ دیر پہنا اور پھر اپنے پاس اسے محفوظ رکھ لیا اور اس کے متعلق بھی یہی وصیت فرمائی کہ اس قمیص مبارک کو میرے مرنے کے بعد میرے کفن میں رکھنا اور یہ میرے جسم سے متصل ہونا چاہیے یعنی پہلے آقا علیہ السلام کی قمیص ہو پھر اس کے اوپر کفن کے کپڑے ہوں۔ علامہ بلاذری وابن عساکر نے نقل کیا ہے: ''اَنَّ مُعَاوِیَةَ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ کُنْتُ اُوَ ضِّیُٔ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَقَالَ لِیْ اَلَا اَکْسُوْکَ قَمِیْصاً قُلْتُ بَلٰی بِاَبِی وَاُمِیّ فَنَزَعَ قَمِیْصاً کَانَ عَلَیْہِ فَکَسَانِیْہِ......الخ'' اسی طرح تہذیب الاسماء میں امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ''لَمَّا حَضَرَتہ الْوَفَاۃُ اَوْصیٰ اَنْ یُّکفن فِی قَمِیْصٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کَسَاہُ اِیَّاہُ وَاَنْ یجعلَ مَایَلِیْ جَسَدَہٗ......الخ'' یعنی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص مبارک میں کفن دینا جو انھوں نے مجھے پہنائی تھی اور آپ کے قمیص مبارک کو میرے جسم سے متصل رکھنا۔ (ماخوذ: ''سیرت امیر معاویہ'' مولانا محمد نافع رحمتہ اللہ علیہ)

(۴) الاصابہ اور اسد الغابہ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو آپ علیہ السلام نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی وہ چادر جو زیب تن فرمائے ہوئے تھے انھیں عطا فرمائی یہ چادر مبارک ان کے پاس محفوظ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان سے خریدنا چاہا مگر انھوں نے انکار کر دیا پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد سے بیس ہزار درہم کے عوض میں حاصل کر لی'' فَکَسَاہُ النَّبی صلی اللّٰہ وسلم بُرْدَةً لَہٗ فَا شْتَرا ھَا مُعَاوِیَةُ (بن ابی سفیان رضی اللّٰہ عنھما) مِنْ وُّ لْدِہٖ''

یہ چار نشانیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے انتہائی معتمد اور منظور نظر سیکرٹری و منشی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آخر عمر تک محفوظ تھیں جن کے متعلق بحوالہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ مرنے

کے بعدان کو میرے وجود پر رکھ دینا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۰ھ میں دمشق میں ہوا اور مشہور صحابی رسول حضرت ضاکر بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حسب، وصیت موئے مبارک اور ناخن مبارک کے تراشے اور قمیص مبارک آپ کے جسم مبارک پر رکھ کرکفن دے دیا گیا۔

ذرا انصاف فرما کرغور فرمائیں جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم پر آیا ہے جسے رداءِ تطہیر کہا جاتا ہے تو پھران نشانیوں اور تبرکات نبوی کو کیا کہا جائے گا یہ بھی تو اسی پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں؟ ہمارا تو ایمان ہے جیسے نبی کا کپڑا پاک ہے ایسے ہی اس پاک کپڑے کے نیچے آنے والی یہ چاروں ہستیاں بھی پاک ہیں جیسے کپڑا اعلیٰ وارفع منزہ ومطہر ومکرم ہے ایسے ہی اس کے نیچے آنے والی یہ چاروں شخصیات اعلیٰ وارفع منزہ ومعتبر مطہر ومکرم ہیں لیکن کپڑے کوجسم سے وہ اتصال وقرب نہیں ہوتا جو موئے مبارک اور ناخن مبارک کو ہوتا ہے پھر وہ اوپر کیا جانے والا کپڑا چادر مبارک تھی کساء مبارک تھی جبکہ ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو آپ علیہ السلام نے اپنی اوڑھی ہوئی اور زیب تن فرمائی ہوئی قمیص مبارک پہنائی جس کو چادر سے کہیں زیادہ اتصال ووصل ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی کہ وہاں کپڑا اور چادران چاروں ہستیوں کے اوپر کی اور دعا فرمائی پھر چادر کو ہٹا لیا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ تو وہ چادران پر نہیں رہی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آقا علیہ السلام کی یہ نشانیاں اور تبرکات جب سے آپ اپنی قبر مبارک میں آرام فرمائے ہوئے ہیں یقیناً تب سے آپ کے وجود مبارک پر ہیں اور کنز العمال کی روایت کے مطابق ''یُبْعَثُ اللّٰہ تَعالیٰ مُعَاوِیَۃَ یومَ الْقِیامَۃِ وَعَلَیْہِ رِدَاءٌ مِّنْ نُورِ الایمَان'' اللہ معاویہ کو قیامت میں اس حالت میں اٹھائیں گے کہ معاویہ پر ایمان کی چادر ہوگی۔ میرا ذوق ووجدان کہتا ہے کہ مفسر اٹھے گا تفسیر کے لباس میں محدث اٹھے گا حدیث کے لباس میں محقق اٹھے گا تحقیق کے لباس میں حافظ اٹھے گا حفظ کے لباس میں۔ لیکن قربان جائیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت پر آپ اٹھیں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات میں ملبوس ہوکر۔

بالفرض اگر آپ کے اور مناقب نہ بھی دیکھے جائیں تو کیا یہ کوئی کم فضیلت ہے؟ جس پاک پیغمبر کے ایک بال پر پوری کائنات قربان ہو یقیناً آپ کی چادر وکپڑا کسی پر اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں آتا نہ آپ کا کپڑا کسی پر مرضیِ خدا کے بغیر آتا ہے اور نہ ہی کوئی آپ کے کپڑے پر مرضی خدا کے بغیر آتا ہے اگر وہ چار ہستیاں جو اہل السنّت والجماعت کے ایمان کا حصہ ہیں اور جن کی جوتیاں ہمارے سروں کا تاج اور جن کی جوتوں کے نیچے لگنے والی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے اگر آقا کے کپڑے کے نیچے آنے سے اگر چہ وقتی طور تھا، پاک ہیں تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوپر آنے والے کپڑے کو کیا کہیں گے؟ خود حضرت معاویہ کو کیا کہیں گے؟ جن پر صرف کپڑا نہیں بلکہ موئے مبارک، ناخن مبارک اور قمیص مبارک آئے اور اس وقت سے لے کر آج تک اور قیامت تک کے لیے ہیں خدارا انصاف فرمائیں! جیسے کپڑا آنے سے وہ پاک ہیں منزہ ومعتبر ہیں ایسے ہی حضرت امیر معاویہ بھی پاک ہیں منزہ ہیں اعلیٰ ہیں ارفع ہیں مطہر ہیں جیسے وہ رداء تطہیر ہے ایسے ہی یہ رداء بھی تطہیر ہے جس سے روحانی وباطنی طہارت ہوئی تزکیہ نفس اور تطہیر باطن ہوئی۔

ماہ شعبان کے متعلق احکام اور فضائل

مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ

یہ ماہ مبارک مقدمہ ہے رمضان شریف کا جیسا کہ ماہ شوال تتمہ ہے رمضان کا۔ قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے:

حٰمٓ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ

(ترجمہ): یعنی قسم ہے کتاب واضح کی کہ ہم نے اس (کتاب) کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، بے شک ہم آگاہ کرنے والے ہیں، ایسی رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے، بے شک ہم (آپ کو) پیغمبر بنانے والے ہیں۔

اس آیت میں برکت والی رات سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے۔ (هکذه فسره عکرمة رواه ابن جریر وغیره) پس اس آیت سے اس ماہ کی اور خاص کر پندرہویں رات کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوگئی اور اس ماہ کے متعلق شریعتِ مقدسہ کے چند احکام ثابت ہوئے ہیں۔

(۱) اس کے چاند کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) پندرہویں شب کو عبادت کرنا اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔

(۳) نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔

(۴) یوم شک میں روزہ رکھنا منع ہے۔

یہ سب احکام اور احادیث میں مصرح ہیں۔ مختصر طور پر کچھ درج کیے جاتے ہیں:

(۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمار رکھو شعبان کے چاند کی۔ رمضان کے لیے (یعنی جب ماہ شعبان کی تاریخ صحیح ہوگی تو رمضان میں اختلاف کم ہوگا (ترمذی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ کسی ماہ (کے چاند) کا اتنا خیال نہ فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)
ان دو روایتوں سے قولاً وفعلاً اس ماہ کے چاند کا اہتمام ثابت ہوگیا۔

(۳) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدھے شعبان کی یعنی پندرہویں رات ہو تو اس رات کو شب

بیداری کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب کے وقت ہی سے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو روزی دوں کیا کیا کوئی مصیبت زدہ ہے (کہ عافیت کی دعا مانگے اور) میں اس کو عافیت دوں کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ (رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے) یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاوے۔ (ابن ماجہ)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ میں نے اس رات (نفل) نماز کے سجدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اَعُوْذُ بعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِ ضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھَکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ. (عن ماثبت بالسنۃ عن البیہقی وسنن النسائی:۱۲)

(ترجمہ) تیرے غصہ سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عقاب سے تیرے درگزر کرنے کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، برتر ہے تو میں تیری تعریف پوری نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے۔

پھر صبح ہوئی تو میں نے اس دعا کا آپ سے ذکر کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس کو سیکھ لے اور دوسروں کو بھی سکھادے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو سکھائی ہے اور کہا ہے کہ اسے سجدہ میں بار بار پڑھوں۔

فائدہ: اسی روایت کے دوسرے طریق میں اور دعا بھی ہے بخوفِ طوالت نقل نہیں کی گئی جس کو شوق ہو ماثبت بالسنۃ دیکھ لے۔ حدیث سوم سے اس رات کی اور اس میں عبادت کرنے کی و نیز روزہ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے اور حدیث چہارم سے ایک خاص دعا معلوم ہوگئی اور روایت مذکورہ کے علاوہ اور روایات بھی اس شب مبارک کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس رات میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لیے جاتے ہیں جو اس سال پیدا ہوں گے اور اسی میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لیے جاتے ہیں جو اس سال میں مریں گے اور اسی رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں (بیہقی)

فائدہ: اعمال اٹھائے جانے سے مراد ان کا پیش ہونا ہے اور رزق نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سال میں جو رزق ملنے والا ہے وہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں پیشتر سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں مگر اس رات کو لکھ کر فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

(۶) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کی پندرہویں رات میں۔ پس مغفرت فرما دیتا ہے سب مخلوق کی، بجز مشرک اور کینہ والے شخص کے لیے (مغفرت نہیں فرماتا) (ابن ماجہ)

ایک اور روایت میں ہے مگر دو شخص ایک کینہ رکھنے والا اور ایک قتلِ ناحق کرنے والا۔ اور ایک روایت میں ہے یا قطع رحم کرنے والا (عن ماثبت بالسنة عن سعد بن منصور) اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نظر (رحمت) نہیں کرتا ہے اس رات میں (بھی) مشرک کی طرف اور نہ کینہ والے کی طرف اور نہ قاطع رحم (یعنی رشتہ ناتہ والوں سے بلاوجہ شرعی تعلق توڑنے والے) کی طرف اور نہ پائجامہ (وغیرہ) ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی طرف اور نہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف (البتہ اگر کوئی توبہ کر چکا ہے تو رحمتِ خداوندی اس پر بھی متوجہ ہو جاتی ہے) عن ماثبت بالسنة عن البیھقی۔

ان کے علاوہ اور گنہگاروں پر بھی نظر رحمت نہ ہونا دوسری روایتوں میں آیا ہے۔ پس سب گناہوں سے توبہ کرنا چاہیے سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے کبائر بدوں توبہ معاف نہیں ہوتے اور صغائر سب اس رات کی برکت سے حق تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(۷) ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس رات میں) بنی کلب کی بکریوں کے عدد سے بھی زیادہ (لوگوں) کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ **رواه ابن ابی شیبة والترمذی وابن ماجة والبیھقی قال فی جامع الاصول وزاد رزین ممن استحق النار ولیس فیه حدیث فی الباب الاھذا وجاء نحوه بطرق متعددة**۔ یعنی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اتنی کثیر تعداد میں ایسے ہوتے جو (ارتکاب معاصی کے سبب) عذاب النار کے مستحق ہو چکے ہیں۔

فائدہ: اس رات کا نام شب برأت (یعنی آزادی کی رات اسی واسطے رکھا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ گنہگاروں کو عذابِ جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ (**وجاء الحدیث فی البیھقی بلفظ واللّٰہ عتقاء من النار**)۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب شعبان آدھا ہو جاوے تو روزہ نہ رکھو۔

(ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ روزہ رکھتے ہوئے کسی ماہ میں نہیں دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ (کل) ماہ شعبان میں روزہ رکھتے تھے سوائے تھوڑے دنوں کے (متفق علیہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے نصف اخیر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور اس سے پہلی روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ امت کے واسطے تو نصف اخیر کے روزے خلاف اولیٰ ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ تھے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو نصف اخیر میں روزے رکھ کر ضعف ہو جاوے کہ رمضان کے روزے رکھنا دشوار ہوں اس کے لیے ممانعت ہے اور جس کو ضعف نہ ہو اس کے واسطے

مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

(۱۰) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص رمضان کے ایک یا دو دن پہلے سے روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ وہ شخص کسی (خاص) دن کا روزہ رکھا کرتا ہو (اور رمضان کے ایک دن پہلے وہ دن ہو، مثلاً ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول ہے اور ۲۹ شعبان کو پیر کا دن ہے) تو وہ شخص اس دن بھی (نفل) روزہ رکھ لے (متفق علیہ) اس سے یوم شک کے روزہ کی ممانعت ثابت ہوگئی اور ایک یا دو دن کا یہ مطلب ہے کہ بعض مرتبہ تو شعبان کا چاند بلا اختلاف نظر آجاتا ہے ایسے موقع پر صرف ۳۰ شعبان کے متعلق شبہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ شعبان میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے اس موقع پر ۲۹ کو بھی شبہ ہوتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے نہ ۲۹ کو روزہ رکھے نہ ۳۰ کو بلکہ جب شریعت کے مطابق ثابت ہوجائے تب رمضان کو شروع سمجھا جائے۔ البتہ یوم شک میں یہ مستحب ہے کہ ضحوہ کبریٰ تک خبر کا انتظار کیا جائے۔ اگر کہیں سے معتبر شہادت آجائے تو روزہ کی نیت کرلے ورنہ کھا پی لے۔

منکراتِ ماہِ ہٰذا:

اس شب مبارک میں صرف دو تین باتیں ثابت ہیں، عبادت کرنا اور قبرستان میں جا کر دعائے مغفرت کرنا۔ اس کے علاوہ شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا حتیٰ کہ اس رات کو ایصال ثواب وغیرہ کی بھی کوئی اصل نہیں۔ اگر مفصل دلائل مطلوب ہوں تو ترجیح الراجح حصہ سوم فصل سوم ضرور قابلِ ملاحظہ ہے۔ مگر جاہل لوگوں نے عبادت کی جگہ بہت سی بے ہودہ رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ جن کو سیدی مرشدی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے ''اصلاح الرسول'' میں بخوبی بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا بعینہٖ اصلاح الرسوم کی عبادت درج ذیل ہے۔

شب برأت میں حدیث شریف سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لیے استغفار فرمایا۔ اس سے آگے سب ایجاد ہے جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہوگئے ہیں۔

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک جب شہید ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ نوش فرمایا تھا، یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی ہے یہ ان کی فاتحہ ہے یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی شعبان میں نہیں ہوئی۔

(۳) بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برأت وغیرہ میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے

ہمارے لیے کچھ پکایا یا نہیں۔ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا اور وہ یہاں ندارد ہے۔

(۴) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شب برأت سے پہلے کوئی مرجائے تو جب تک اس کے لیے فاتحہ شب برأت نہ کیا جائے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مر جائے تو کنبہ بھر میں پہلا تہوار نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے، مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہنچتا ہے، یہ نہیں کہ شب برأت تک اٹکا رہتا ہے۔

(۵) حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدوں اس کے سمجھتے ہیں کہ شب برأت ہی نہیں ہوئی۔ اس پابندی میں اکثر فسادِ عقیدہ بھی ہوجاتا ہے کہ اس کو مؤکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں، فسادِ عمل بھی ہوجاتا ہے۔ فرائض وواجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے لگتے ہیں اوران دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح مذکور ہوچکا ہے۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہوجاتی ہے، ثواب وغیرہ کچھ مقصود نہیں رہتا۔ خیال ہوجاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب کی خست اور ناداری نے گھیر لیا ہے اس الزام کے رفع کرنے کے لیے جس طرح بن پڑتا ہے مرا کر کرتا ہے ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف وتفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہوچکا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لیے سودی قرض لینا پڑتا ہے یہ جدا گناہ ہے۔

(۶) جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا یا ادنیٰ درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے اکثر اہل ثروت و برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض اس میں بھی ریاء وتفاخر ہوجاتا ہے۔

(۷) بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی، لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ مؤکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے یہ تو کھانے پکانے میں مفاسد ایجاد کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ آتش بازی کی رسم اس شب میں شائع ہے۔ تیسرے زیادتی اس میں یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہر چند کہ اجتماع سے شب بیداری سہل تو ہوجاتی ہے مگر نفلی عبادت کے لیے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا خود خلاف شریعت ہے۔ البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہوگئے اس کا مضائقہ نہیں۔

(۸) بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا اور گھر لیپنا اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت کرلی ہے۔ یہ رسم بالکل کفار کی نقل ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔ چونکہ حضرت والا آتش بازی کا بیان باب اول کی فصل سوم میں تحریر فرما چکے ہیں اس واسطے دوبارہ اس کو تحریر کرنے کی حاجت نہ تھی مگر اس جگہ تتمیم فائدہ کی غرض سے اس رسم کے رد کو ضروری سمجھ کر ماثبت بالسنۃ سے کچھ مضمون لکھا جاتا ہے جو خاص طور پر حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ

مولف ماثبت بالسنہ نے شب برات میں آتش بازی کا بے ہودہ مشغلہ کرنے والوں کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

''اور بدعت شنیعہ میں سے وہ رسم ہے جس کا اکثر بلاد ہند میں لوگوں نے رواج دے رکھا ہے یعنی چراغ جلانا اور ان کو مکانوں اور دیواروں پر رکھنا اور اس پر فخر کرنا اور آتش بازی کے ساتھ لہو ولعب کے لیے جمع ہونا کیونکہ یہ وہ امر ہے جس کی معتبر کتابوں میں کوئی اصل نہیں بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی نہیں، اور کوئی ضعیف اور موضوع روایت تک بھی اس کے بارے میں وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کا بلاد ہند کے سوا کسی ملک میں رواج نہ حرمین شریفین میں **زاد ھما اللّٰہ تعالیٰ تعظیماً و تشریفاً** اور نہ ان کے سوا عرب کے دیگر حصص میں اور نہ بلادِ عجم میں سوائے ہندوستان کے بلکہ ممکن ہے اور یہی ظن غالب ہے کہ ہندوؤں کی رسم دیوالی سے اس رسم کو لیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان میں عموماً رسوم بدعیہ زمانہ کفر ہی کی باقی ہیں اور مسلمانوں میں (کفار کے ساتھ) میل جول کرنے اور کفار (کی نسل) میں سے باندیاں اور بیویاں رکھنے کے سبب پھیل گئی ہیں۔

بعض علماء متاخرین نے فرمایا ہے کہ خاص خاص راتوں میں بکثرت چراغ جلانے کا رواج بدعات شنیعہ سے ہے، کیونکہ حاجت سے زیادہ چراغ جلانے کے رواج میں کسی موقع پر بھی کوئی اثر شرعی منقول نہیں اور علی بن ابراہیم نے کہا ہے کہ روشنی کی بدعت اول برامکہ سے شروع ہوئی وہ لوگ آتش پرست تھے۔ پس جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے اسلام میں وہ بات داخل کر لی جس کو اپنی ملمع سازی سے اسلامی طریقہ قرار دے دیا اور (اس سے) ان کی اصل غرض صرف آتش پرستی تھی جب کہ مسلمانوں کے ساتھ ان چراغوں کی طرف سجدہ کرتے تھے) یعنی مسجد میں صف سے آگے چراغ ہوں گے تو آتش پرستی بھی ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ مسلمان ہو کر بھی شرک کا روگ دلوں میں رہا) اور پھر اس کو جاہل اماموں نے صلوٰۃ غائب وغیرہ کی طرح عوام کو جمع کرنے کا اور ریاست ووجاہت حاصل ہونے کا جال بنا لیا اور قصہ خوانوں نے اپنی مجلسوں کو اس کے ذکر سے پر کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ کو ایسے منکرات دور کرنے کے لیے کھڑا کیا تو وہ مٹ گئے اور آٹھویں صدی کے شروع میں بلاد مصر وشام سے بالکل اُٹھ گئے۔

فائدہ: اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ روشنی اور آتش بازی کی رسم قبیح، اسراف، بے جا وغیرہ کی وجہ سے سخت حرام ہونے کے علاوہ رسوم شرکیہ میں سے ہیں اور جو شخص رسوم شرکیہ کا ارتکاب کرے اس کے متعلق بموجب حدیث **مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ** سخت اندیشہ ہے کہ ان مشرکین کے ساتھ اس کا حشر ہو جنھوں نے یہ رسوم شرکیہ جاری کی تھیں۔

کیا اب بھی لوگ ان خرافات سے باز نہ آئیں گے؟ حق تعالیٰ تمام رسوم بدعیہ وشرکیہ کو دنیا سے جلد مٹا دے اور اسلامی سنت کو جاری فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام
اورمنکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ (قسط:۱۳)

حافظ عبیداللہ

راویوں کا تعارف

زُھیر بن حرب: ان کا تعارف ہو چکا۔

مُعلّیٰ بن منصور الرازي (ابو یعلیٰ) الحنفي نزیل بغداد

امام ذہبی نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے ’’علامہ، حافظ، فقیہ اور بغداد کے مفتی‘‘۔ سنہ 150 ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ ابوزرعہ نے کہا: ’’معلّٰی سچے ہیں‘‘۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ’’ثقہ‘‘ کہا۔ امام عجلی نے کہا کہ ’’وہ ثقہ اور صاحبِ سُنت اور قابل تھے، انہیں کئی بار قاضی بننے کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے انکار کیا‘‘۔ یعقوب بن شیبہ نے کہا: ’’وہ ثقہ، پختہ، سچے، (جھوٹ سے) محفوظ اور فقیہ تھے‘‘۔ ابن سعد نے بھی انہیں ’’صدوق‘‘ (سچے) لکھا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ’’ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں، مجھے ان کی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جو منکر ہو‘‘۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: ’’معلّٰی بن منصور امام ابویوسف اور امام محمد کے بڑے اور نقل وروایت میں ان کے ثقہ اصحاب میں سے تھے‘‘۔ ابن حِبان نے بھی انہیں ’’ثقہ‘‘ لوگوں میں شمار کیا ہے۔

(تهذیب التهذیب، ج10 ص238 / سیر اعلام النبلاء، ج10 ص365 / الجرح والتعدیل، ج8 ص334)

فائدہ: بعض نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ معلّٰی بن منصور کی حدیث نہیں لیتے تھے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ معلّٰی ’’اصحاب الرأی ‘‘(یعنی فقہاء) میں شمار ہوتے تھے، لیکن امام ابوزرعہ نے اس بارے میں یہ فرمایا کہ: ’’اللہ احمد بن حنبل پر رحم فرمائے، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان کے دل میں معلّٰی بن منصور کی احادیث کے بارے میں غصہ پایا جاتا تھا، جبکہ علی بن المدیني، ابوخیثمہ اور ہمارے دوسرے اصحاب نے معلّٰی بن منصور سے حدیث لی ہے، وہ سچے ہیں‘‘۔ بعض لوگوں نے امام احمد بن حنبل کے حوالے سے یہ نقل کر دیا کہ انہوں نے معلّٰی بن منصور کے بارے میں کہا کہ وہ کذب بیانی کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس بات کو ’’غلط بلا ریب ‘‘(بغیر کسی شک کے غلط) کہا ہے۔

سلیمان بن بلال (ابو محمد) مولیٰ آل الصدیق

امام ذہبی نے انہیں ایک جگہ ’’ثقہ اور امام‘‘ اور دوسری جگہ ’’الامام المُفتي الحافظ ‘‘ لکھا ہے۔ امام

احمد بن حنبل اور امام نسائی نے انہیں ''ثقہ'' کہا ہے۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ''ثقة صالح'' کہا۔ ابن سعد نے کہا کہ ''وہ ثقہ اور اچھی حدیث والے'' تھے۔ خلیلی نے انہیں ''ثقہ'' کہا۔ ابن حبان نے انہیں ''ثقہ'' لوگوں میں شمار کیا۔ ابن عدی نے بھی انہیں ''ثقہ'' کہا۔ (تهذيب التهذيب، ج4 ص175 / سير اعلام النبلاء، ج7 ص425 / الكاشف، ج1 ص457)

سهيل بن ابي صالح (ابو يزيد) المدني

امام ذہبی نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے: ''الامِام المحدّث الكبير الصادق'' امام، عظیم محدث اور سچے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ: ''ہم سہیل بن ابی صالح کو حدیث میں پختہ (ثبت) سمجھا کرتے تھے''۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: ''ان کی حدیث بہت اچھی ہے''۔ امام نسائی نے کہا کہ: ''ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں''۔ عجلی نے کہا: ''سہیل اور ان کے بھائی عباد دونوں ثقہ ہیں''۔ ابن عدی نے کہا: ''میرے نزدیک وہ پکے ہیں اور ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں''۔ ابن حبان نے بھی انہیں ''ثقہ'' لوگوں میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد نے کہا: ''سہیل ثقہ اور کثیر الحدیث'' ہیں۔ یحییٰ بن معین نے ایک جگہ سہیل اور ان کے دونوں بھائیوں عباد اور صالح کو ''ثقہ'' کہا ہے، لیکن عباس الدوری نے یحییٰ بن معین سے یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: ''سہیل اور علاء بن عبدالرحمٰن دونوں کی حدیث حجت نہیں ہے''۔ یحییٰ بن معین سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے سہیل کو ''ضعیف'' کہا۔

(تهذيب التهذيب، ج4 ص263 / سير اعلام النبلاء، ج5 ص458)

فائدہ: ائمہ جرح وتعدیل کی اکثریت کے نزدیک سہیل بن ابی صالح ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، یحییٰ بن معین سے دونوں باتیں منقول ہیں، کہیں ثقہ کہا اور کہیں ضعیف، لہٰذا جو بات جمہور ائمہ کے مطابق ہے اسے ہی لیا جائے گا۔

ذكوان السمّان الزيّات (ابو صالح) مولىٰ جويرية الغطفانية

یہ پہلے بیان ہوئے ''سہیل بن ابی صالح'' کے والد ہیں، یہ تیل اور گھی کا کاروبار کرتے تھے اس لئے انہیں ''سمّان اور زیّات'' کہا جاتا ہے، امام ذہبی نے ایک جگہ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ ثقہ اماموں میں سے ایک ہیں'' اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''وہ حافظ اور حجت تھے''۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا: ''وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور بلند مرتبہ والے ہیں، وہ ثقہ ہیں ثقہ ہیں (دوبار فرمایا)''۔ یحییٰ بن معین نے بھی انہیں ''ثقہ'' فرمایا۔ ابو حاتم رازی نے فرمایا: ''ذکوان ثقہ ہیں اور ان کی حدیث حجت ہے''۔ ابوزرعہ نے فرمایا: ''وہ مدنی ثقہ ہیں اور سیدھی حدیث والے ہیں''۔ امام ساجی نے بھی انہیں ''ثقہ'' فرمایا۔ ابن حبان اور عجلی نے انہیں ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے انہیں ''ثقہ اور ثبت'' فرمایا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی وفات سنہ 101ھ میں ہوئی۔

(الجرح والتعديل لابن ابي حاتم، ج4 ص263 / تاريخ الاسلام للذهبي، ج5 ص458 / الكاشف، ج1 ص386 / سير اعلام النبلاء، ج5 ص36 / تهذيب التهذيب، ج3 ص219 / تقريب التهذيب، ص203)۔

تمنائی افسانہ اور بے بسی

تمنا عمادی صاحب کو کوئی ایسی بات نہ ملی ہوگی جس کو بنیاد بنا کر اور پھر رائی کا پہاڑ بنا کر وہ ''ابو صالح ذکوان الزیّات'' پر اپنی ''تمنائی'' جرح کے تیر چلا سکیں، لیکن حدیث دشمنی کا تقاضا بھی تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جائے تو انہیں تہذیب التہذیب میں ابن سعد کے حوالے سے یہ بات نظر آئی کہ ''**کان ثقة كثير الحديث، وكان يقدم الكوفة يجلب الزيت فينزل في بني أسد**'' کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، جب تیل لے کر کوفہ تشریف لاتے تھے تو قبیلہ بنی اسد کے ہاں ٹھہرتے تھے'' تو عمادی صاحب کو ابن سعد کی اس بات کا پہلا حصہ ''**ثقة كثير الحديث**'' تو نظر نہ آیا، لیکن ''**بنی اسد**'' کا لفظ دیکھا تو تقریباً تین صفحات (197 تا 200) یہ بتانے میں سیاہ کر ڈالے کہ یہ بنی اسد کا محلّہ تو جھوٹے راویوں اور وضاعین کا اڈہ تھا، اور پھر عمادی صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق بہت سے ایسے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں جن کا تعلق اس محلّہ سے تھا اور تمنائی تحقیق کے مطابق وہ سب مجروح ہیں وغیرہ وغیرہ۔ الغرض! عمادی صاحب بالواسطہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابو صالح الزیّات چونکہ اپنے بغداد کے سفر کے دوران بنی اسد کے محلّہ میں قیام کرتے تھے لہٰذا وہ بھی نا قابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔

قارئین محترم! یہ ہے منکرینِ حدیث کے ''محدث العصر'' کا علم جرح وتعدیل، بنی اسد میں کوئی راوی جھوٹا ہوتا ہے تو ہو، اس سے تو بنی اسد کے محلّہ میں مستقل رہنے والے ہر فرد کا جھوٹا اور ضعیف ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا چہ جائے کہ ایک ایسے بالاتفاق ثقہ آدمی کو اس بناء پر مجروح ثابت کرنے کی کوشش کی جائے جو مستقل رہنے والا مدینہ کا ہے اور اپنے کاروبار کے سلسلے میں کوفہ آتا ہے۔ عمادی صاحب کی کتاب کے سرورق پر لکھا ہے ''انتظارِ مہدی ومسیح۔ فنِ رجال کی روشنی میں'' یہ کون سا فنِ رجال ہے جس میں کسی راوی کو اس بناء پر مجروح قرار دیا جائے کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایسے شہر جاتا تھا جس میں جھوٹے لوگ بھی رہتے تھے؟

نا پختہ ذہانت سے غباوت اچھی ۔۔۔ بگڑی ہوئی عقل سے حماقت اچھی

حدیث نمبر 11

''(امام مسلم فرماتے ہیں) بیان کیا ہم سے **ابو خَیثَمَة زُهير بن حرب اور اسحاق بن ابراهيم اور ابن ابی عمر المکی** (لیکن الفاظ زہیر بن حرب کے ہیں) **اسحاق** (بن ابراهيم) نے کہا: ہمیں خبر دی، اور باقی دونوں نے کہا: ہم سے بیان کیا **سُفيان بن عيينه** نے، اُن سے **فُرات القزّاز** نے، اُن سے **ابو الطفيل** (عامر بن واثلة الليثی) نے، اُن سے حضرت **حُذيفه بن اسِيد الغِفاری** رضی اللہ عنہ نے، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہم پر برآمد ہوئے اور ہم باتیں کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم کیا باتیں کر رہے تھے؟۔ ہم نے کہا قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: قیامت نہیں قائم ہوگی جب تک دس نشانیاں اُس سے پہلے نہیں دیکھ لوگے۔ پھر ذکر کیا دُھویں کا اور دجّال کا اور زمین کے

جانور کا، اور سورج کے مغرب سے نکلنے کا، اور حضرت عیسیٰ ◆ کے نازل ہونے کا، اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا، اور تین جگہ خسف ہونا (یعنی زمین میں دھنسنا) ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا جزیرہ عرب میں، اور دسویں نشانی ایک آگ پیدا ہوگی جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔''

(صحیح مسلم، ح2901، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ)

راویوں کا تعارف:

أبو خیثمة زهیر بن حرب: تعارف ہو چکا۔

اسحاق بن ابراهیم (بن راهویه): تعارف ہو چکا۔

ابن ابی عمر المکی (ابو عبداللّٰہ محمد بن یحییٰ)

امام ذہبی نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے: ''الاِمام، المحدّث، الحافظ، شیخ الحرم''۔ یہ اصل میں ''عدن'' کے رہنے والے تھے لیکن مکہ منتقل ہو گئے۔ احمد بن سہل اسفرائینی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے سوال ہوا کہ کن لوگوں کی حدیث لکھی جائے، تو آپ نے جواب میں فرمایا: ''اگر مکہ میں ہو تو ابن ابی عمر کی حدیث''۔ ابن حبان نے انہیں ''ثقہ'' لوگوں میں شمار کیا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: ''وہ نیک اور سچے آدمی تھے''۔

(سیر اعلام النبلاء، ج12 ص96 / تهذیب التهذیب، ج9 ص518)

سفیان بن عیینه: ان کا تعارف بھی پہلے ہو چکا۔

فرات بن ابی عبد الرحمن التمیمی البصری القزّاز، نزیل الکوفة

یہ اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں کوفہ منتقل ہو گئے۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ''ثقہ'' فرمایا۔ ابن ابی حاتم نے بھی اپنے والد ابوحاتم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ''یہ صالح الحدیث (اچھی حدیث والے) ہیں''۔ ابن حِبان نے انہیں ''ثقہ'' لوگوں میں شمار کیا ہے۔ عجلی نے بھی انہیں ''ثقہ'' لکھا ہے۔ ابن شاہین نے بھی سفیان بن عیینہ کے حوالے سے انہیں ''ثقہ'' لکھا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ''وثقه ابن معین وغیره'' یحییٰ بن معین اور دوسرے لوگوں نے انکی توثیق کی ہے۔ اور ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''وثّقوه'' انہوں نے (یعنی ائمہ جرح وتعدیل نے) انہیں ''ثقہ'' کہا ہے۔

فرات القزّاز کا تذکرہ مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہے، نہ ہی یہ کوئی مجہول شخصیت ہیں اور نہ ہی کسی نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(التاریخ الکبیر للبخاري، ج7 ص129 /الجرح والتعدیل لابن ابي حاتم، ج7 ص79 /تاریخ الاسلام للذهبي، ج3 ص479 /میزان الاعتدال، ج3 ص343 /الکاشف، ج2 ص119 /تهذیب الکمال، ج23 ص150 /تهذیب التهذیب، ج8 ص258 /معرفة الثقات للعِجلي، ج2 ص204 / کتاب الثقات لابن حِبان، ج7 ص321 /تاریخ اسماء الثقات لابن شاهین، ص265)۔

تمنائی غلط بیانی

قارئین محترم! آپ نے ''فرات القزّاز'' کے بارے میں تمنا عمادی صاحب کے دنیا میں آنے سے کئی صدیاں پہلے ہونے والے ائمہ اسماء الرجال کے اقوال ملاحظہ فرمائے، اب آیئے چودھویں صدی کے ان ''محدث العصر'' کی تحقیق بھی پڑھیے، لکھتے ہیں:

''فرات القزّ از ایک مجہول الحال آدمی ہیں، نہ ان کا سال ولادت معلوم نہ سال وفات، یہاں تک کہ نہ ان پر کسی کی جرح ہے نہ تعدیل، چونکہ امام مسلم ان کی حدیث روایت کررہے ہیں اس لئے دوتین کوفیوں نے ان کو صرف ثقہ لکھ دیا اور بس''۔ (انتظارِ مہدی و مسیح، ص 210-211)

جہاں تک عمادی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ''یہ مجہول الحال شخصیت'' ہیں یہ سراسر ''جھوٹ'' ہے، اگر کسی راوی کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کتابوں میں نہیں لکھی تو اس سے وہ مجہول الحال نہیں بن جاتا، پھر اگر یہ مجہول ہوتے تو اسماء الرجال کے ائمہ کی ایک کثیر تعداد ان کا تعارف اپنی کتابوں میں نہ کراتی اور انہیں ثقہ نہ کہتی، یا کم از کم کوئی ایک تو انہیں مجہول لکھتا۔

نیز عمادی صاحب خود تضاد کا شکار ہیں، پہلے لکھتے ہیں کہ فرات القزّ از پر نہ کسی نے جرح کی ہے اور نہ ہی کسی نے ان کی تعدیل (یا توثیق) کی ہے، پھر خود ہی تسلیم بھی کرتے ہیں کہ دوتین کوفیوں نے انہیں ''ثقہ'' لکھا ہے لیکن شاید اپنے اوپر ہونے والی ''وحی'' کی بناء پر فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے انہیں ''ثقہ'' لکھا ہے کہ امام مسلم ان کی حدیث روایت کرتے ہیں۔ میں نے ''وحی کی بناء پر'' اس لئے کہا کہ یہ بات عمادی صاحب کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں نہیں ملتی، نیز جب ''فرات القزّ از'' خود کوفہ میں رہتے تھے تو ان کے بارے میں کوفہ کے ائمہ جرح وتعدیل ہی بہتر جانتے تھے نہ کہ ہندوستان کے صوبہ بہار کے علاقہ پھلواری کے رہنے والے بزعمِ خود فنِ رجال کے ماہرین۔

عمادی صاحب کی ان ''تلبیسات'' کو پڑھ کر ان کے ''یارانِ طریقت'' تو خوب داد دیتے ہوں گے، لیکن میں صرف یہ عرض کروں گا کہ:

تم نے اس میں ضابطہ رکھا جھوٹ بولا تو عمر بھر بولا

ابو الطفیل عامرؓ بن واثلة اللیثي

حضرت عامر بن واثلہؓ بالاتفاق صحابہ کرامؓ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ آٹھ نو سال کے تھے، آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کوفہ میں رہے اور بعد میں مکہ آ گئے، وہیں آپ کی وفات سنہ 100ھ اور 110ھ کے درمیان (باختلاف اقوال) ہوئی۔ امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں کہ: ''وکان أبو الطفیل ثِقةً فیما ینقله، صادقاً، عالماً، شاعراً، فارساً، عُمِّر دهراً طویلاً، وشهِد مع علي حروبه'' ابوالطفیل ثقہ، سچے، عالم، شاعر اور اچھے گھڑ سوار تھے، آپ نے ایک لمبا زمانہ عمر

پائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگوں میں ان کے ساتھ رہے۔

آپ کا تذکرہ وتعارف مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(التاريخ الكبير للبخاري، ج6 ص446 /الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ج1 ص480 دار الفكر بيروت /أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج3 ص143 دار الكتب العلمية بيروت /الاصابة في تمييز الصحابة، ج5 ص536 قاهره مصر /الجرح والتعديل، ج6 ص328 /تهذيب الكمال، ج 14 ص79 /تاريخ الاسلام للذهبي، ج 2 ص1201 /سير اعلام النبلاء، ج3 ص467 /تهذيب التهذيب، ج5 ص82 /معرفة الثقات للعِجلي، ج2 ص15 /كتاب الثقات لابن حِبان، ج3 ص291 وغيرها من الكتب)

ایک وضاحت: حضرت ابوالطفیلؓ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھے اور آپ کے خاص آدمی تھے اس لئے کتابوں میں ان کے بارے میں لکھا ملتا ہے کہ ''**كان من شيعة علي**'' وہ حضرت علیؓ کے شیعہ میں سے تھے یا لکھا ملتا ہے کہ وہ ''**شيعي**'' تھے۔ اگرچہ یہاں اس کا صرف یہ معنی ہے کہ آپ حضرت علیؓ کی جماعت میں سے تھے، لیکن ان لوگوں کے لئے جو علم اسماء الرجال سے واقفیت نہیں رکھتے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں اگر کسی راوی کے بارے میں لکھا ہو کہ وہ ''**متشيع**'' تھا یا ''**شيعه**'' تھا تو اس سے آج کے زمانے میں معروف شیعہ مراد نہیں ہوتا، متقدمین ائمہ کی اصطلاح میں ''شیعہ'' اور ''رافضی'' میں فرق ہے، اسی لئے اسماء الرجال کی کتابوں میں ''شیعہ'' اور ''رافضی'' کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے (جبکہ بعد میں رافضی کو ہی شیعہ کہا جانے لگا)، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

''**فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي على عثمان، وأن علياً كان مصيباً في حروبه، وأن مخالفه مخطيء، مع تقديم الشيخين وتفضيلهما...... (الى أن قال)...... وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض**'' متقدمین کے عرف میں ''شیعہ'' ہونے کا مطلب صرف یہ اعتقاد رکھنا ہوتا تھا کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت ہے اور حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں درست موقف پر تھے اور ان کے مخالفین کا موقف غلط تھا جبکہ حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ تمام صحابہ کرام سے افضل اور مقدم ہیں...... جبکہ متأخرین کے نزدیک ''شیعہ'' اور ''رافضی'' ایک ہی ہیں۔ (تهذيب التهذيب، ج1 ص94 ترجمة: أبان بن تغلب)

ایسی ہی بات امام ذہبیؒ نے بھی لکھی ہے، نیز انہوں نے تو یہ وضاحت بھی کی ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ میں سے برتر اور افضل کون ہے تو صحابہ وتابعین میں سے بہت سے لوگ حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل رہے ہیں، ہاں جمہور امت کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو برتری حاصل ہے (سير اعلام النبلاء، ج16 ص457-458)۔

الغرض! تمنا عمادی صاحب جیسے لوگ کبھی یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ''فلاں راوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا'' تو اس سے متقدمین کی اصطلاح والا شیعہ مراد ہوتا ہے، ہاں جس راوی کے بارے میں ''رافضی'' لکھا ہو اس سے آج

کے زمانے میں معروف شیعہ مراد ہوگا۔

حذیفة بن اُسید بن خالد (ابو سریحة) الغفاریؓ

یہ بھی صحابی ہیں اور صلح حدیبیہ میں موجود تھے، یہ بھی لکھا ہے کہ بیعت رضوان کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ان کی وفات سنہ 42 ہجری میں ہوئی اور حضرت زیدؓ بن ارقم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ان کا تعارف مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(التاريخ الكبير للبخاري، ج3 ص96 /الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ج1 ص201 دار الفكر، بيروت /أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج1 ص703 دار الكتب العلمية بيروت /الاصابة في تمييز الصحابة، ج2 ص494 قاهره مصر /الجرح والتعديل ، ج3 ص256 /تهذيب الكمال، ج5 ص493 /تهذيب التهذيب، ج2 ص219 /معرفة الثقات للعجلي، ج1 ص289 /كتاب الثقات لابن حبان، ج3 ص81 /تاريخ ابن عساكر، ج12 ص253 /الكاشف للذهبي، ج1 ص315 وغيرها من الكتب)۔

(جاری ہے)

دعاءِ صحت

- مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المومن بخاری دامت برکاتہم شدید علیل ہیں
- حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب گزشتہ دوسال سے کومے میں ہیں
- مجلس احرار اسلام بہاول پور کے صدر قاری عبدالعزیز صاحب علیل ہیں
- مدرسہ معمورہ کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی علیل ہے
- لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب طویل عرصے سے علیل ہیں
- چودھری عبدالجبار صاحب صدر مجلس احرار اسلام خان پور علیل ہیں
- حافظ محمد جمال صاحب قدیمی کارکن مجلس احرار اسلام غازی پور
- ڈیرہ اسماعیل خان کے احرار کارکن حافظ فتح محمد علیل ہیں
- مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن قاضی رفیع الدین کی خالہ محترمہ شدید علیل ہیں
- حافظ محمد صدیق چوہان صدر مجلس احرار اسلام رحیم یار خان شہر علیل ہیں
- مجلس احرار اسلام کراچی کے نائب امیر اور مدرسہ محمدیہ، جامعہ مسجد محمدی مہران ٹاؤن کراچی کے بانی و مہتمم مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی کے بھائی قاری عبدالشکور علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفا کاملہ عطا فرمائے۔

پروفیسر خالد شبیر احمد (مرکزی نائب امیر مجلس احرار اسلام) سے انٹرویو

شفقت رسول مرزا

پروفیسر خالد شبیر احمد بیک وقت ایک معروف سیاسی رہنما، شاعر، ادیب اور محقق ہیں۔ فن خطابت کی خوبیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ جس طرح دیکھی ہوئی شخصیتوں میں وہ امیر شریعت کے والا وشیدا ہیں اسی طرح ان دیکھی شخصیات میں وہ مولانا حسرت موہانی اور علامہ اقبال کو بھی اپنے فکر ونظر کا قائد ورہنما سمجھتے ہیں اور ان دونوں شخصیات کو آزادی سے ہم کنار کرنے کے میدان میں بھی اپنا آئیڈیل اور ہیرو جانتے ہیں۔

جس طرح وہ امیر شریعت کی قوت گفتار کے شیدائی ہیں بالکل اسی طرح مولانا ظفر علی خان کی روزنامہ ''زمیندار'' کے ذریعے، مولانا محمد علی جوہر کی ''ہمدرد'' اور'' کامریڈ'' کے ذریعے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ''الہلال اور البلاغ'' کے ذریعے صحافتی محاذ پر خدمات کو بھی جنگ آزادی کے سلسلے میں بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جو امیر شریعت کی ہر محاذ پر خدمات کو سراہتی ہیں۔

پروفیسر خالد شبیر احمد مجلس احرار اسلام کے اہم رہنماؤں میں شامل ہیں وہ کچھ عرصہ سے مجلس احرار اسلام پاکستان کے سینئر نائب صدر کے عہدے پر فائز ہیں۔

مجلس احرار اسلام کی داغ بیل دسمبر 1929ء میں ڈالی گئی جولائی 1931ء میں اس جماعت کا باضابطہ پہلا اجلاس حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور پر ہوا جس میں مولانا ظفر علی خان نے شمولیت اختیار کی۔ اسی اجلاس میں تحریک کشمیر چلانے کا فیصلہ ہوا۔ اس تحریک میں تقریباً چالیس ہزار لوگوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا اور تقریباً بیالیس کے قریب احرار کارکنوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اگر برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی دوسری سیاسی جماعت حتیٰ کہ کانگرس تک قربانی وایثار کے میدان میں ان کے مقابلے میں نظر نہیں آتی۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے میدان میں بھی تمام دینی وسیاسی جماعتیں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ احرار کی خدمات قابل رشک ہیں۔

مجلس احرار اسلام نے سرزمین پاک وہند میں غریبوں کے حقوق وتحفظ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں کہ جنھیں الفاظ کے زنغے میں لانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے یہ لوگ برملا کہتے تھے کہ دنیا صرف امیروں کی عیش گاہ نہیں ہے۔ غریبوں کی ضروریات زندگی کا تحفظ بھی انسانی تقاضا ہے۔

مجلس احرار نے ہمیشہ یہ کہا کہ دین اسلام میں سرمایہ پرستی کا کوئی جواز نہیں۔ سرمایہ بھی ایک آدمی کے پاس اللہ کی امانت ہے اور ہر سرمایہ داران احکامات کا پابند ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچائے۔

مجلس احرار اسلام کا طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ اس جماعت نے کبھی بھی صبر و استقامت کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ہمیشہ ہر قسم کے تشدد، مصیبت اور مشکل کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس جماعت کے لوگ تشدد کی طرف کبھی راغب نہ ہوئے۔ عدم تشدد کے اصول پر کار بندر ہے اور پُر امن جد و جہد کی۔

مجلس احرار اسلام کی یہ خوبی بھی رہی ہے کہ اس جماعت میں کارکن اور رہنما کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں تھا۔ کارکن باقاعدہ اپنے رہنماؤں سے بحث کیا کرتے تھے، رہنما اور کارکن دلیل سے بات کرتے تھے۔ اس عمل سے کارکنوں کی ذہن سازی اور تربیت ہوتی تھی۔

پچھلے دنوں مجلس احرار اسلام پاکستان کے سینئر نائب صدر جناب پروفیسر خالد شبیر احمد لاہور تشریف لائے تو انھیں روزنامہ جرأت کے فورم پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ ان سے ان کی جماعت کے شاندار ماضی اور حالات حاضرہ کے حوالے سے دلچسپ گفتگو ہوئی جو جرأت کے قارئین کرام کی نذر ہے۔

س: آپ کی شخصیت میں کئی رنگ اور کئی کیفیات ہیں۔ ہم بچپن سے لے کر بڑھاپے تک آپ کی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہمیں کچھ بتائیے۔

ج: میری پیدائش اپریل 1934ء کی ہے۔ میں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران زمین پر چلنا سیکھا۔ میرے والد محترم ایک سکول ٹیچر تھے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا سا تھا اور دھوبی گھاٹ فیصل آباد میں رہائش پذیر تھا۔ 1935ء کے ایکٹ کے تحت پہلے عام انتخابات ہوئے۔ 1939ء میں ہمارے حلے ضمنی انتخاب ہوا جس میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے میر عبدالقیوم ایڈووکیٹ اور مسلم لیگ کی طرف سے شیخ محمد امین بیرسٹر امیدوار تھے۔ ان دونوں امیدواروں کے درمیان کانٹے دار مقابلہ تھا۔ دھوبی گھاٹ کا سارا محلّہ مجلس احرار اسلام کے امیدوار کے حق میں تھا اور محلے میں ایک شاندار جلوس تھا اس وقت میری عمر چار پانچ سال کی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ مجلس احرار اسلام زندہ باد کے نعرے لگتے سنے تو میں نے بھی مجلس احرار اسلام زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ اس وقت مجھے اس جماعت کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔

ہمارے محلے میں دھوبی گھاٹ کی ایک ہاکی ٹیم تھی وہ بھی ٹورنامنٹ میں جیت کر ایک جلوس کی شکل میں محلے میں گھومتی تھی۔ میں بھی اس جلوس میں شامل ہو جاتا تھا۔ جب میں کھلاڑیوں کے گلے میں پھولوں کے ہار دیکھتا تو میرے جی میں اٹھتا تھا کہ میں بھی بڑا ہو کر ہاکی کا کھلاڑی بنوں گا۔ اس لیے میں نے اپنے والد محترم سے تقاضا کرنا شروع کیا کہ مجھے بھی ہاکی لادیں۔ میرے گھر کے سامنے ایک بہت بڑا گراؤنڈ تھا جو اس وقت دوسہرا گراؤنڈ کے نام سے مشہور تھا۔

جب اباجی نے مجھے ہاکی لاکر دی تو میں بھی ان کھلاڑیوں کے پاس چلا گیا کہ میں بھی ہاکی کھیلوں گا۔ دو کھلاڑی مختلف سمتوں میں کھڑے ہو جاتے اور مجھے درمیان میں کھڑا کر لیتے۔ جب میں ایک کے پاس جاتا تو وہ گیند دوسرے کی طرف پھینک دیتا اور جب دوسرے کے پاس جاتا تو وہ گیند پہلے کی طرف پھینک دیتا۔ اس طرح میں ان دونوں کے

درمیان بھاگتا رہتا اور خوش ہوتا اور سمجھتا کہ میں ہاکی کھیل رہا ہوں۔ جب وہ خود کھیلتے تھے تو میں باہر بیٹھ کر ان کو کھیلتے ہوئے دیکھتا۔ یہ میرا ہاکی کا آغاز تھا۔ میں نے سکول سے یونیورسٹی تک تمام ہاکی کی ٹیموں کی نمائندگی کی۔ انٹر یونیورسٹی ٹورنامنٹ میں پنجاب یونیورسٹی کی ہاکی ٹیم کی کپتانی کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے اسی اعزاز کی وجہ سے مجھے رول آف آنر سے نوازا گیا۔ مجھے یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ میں نے ہاکی کی نیشنل چیمپن شپ میں تین دفعہ شرکت کی ہے۔ میں اپنی ملازمت کے دوران ہر کالج میں ہاکی کا کوچ اور پریذیڈنٹ بھی رہ چکا ہوں۔ گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور میں اپنی تعیناتی کے دوران چار سال تک میں نے سمیع اللہ کی تربیت کی جو بعد میں فلائنگ ہارس کے لقب سے نوازے گئے۔

جب تک میں ہاکی کا کھلاڑی رہا میرا ادبی ذوق مغلوب رہا۔ جب میں نے ہاکی کھیلنی چھوڑی تو میں جہاں کہیں بھی گیا تو وہاں شاعروں اور ادیبوں کے درمیان ہی رہا۔ ان کی صحبت کے اثر کی وجہ سے میں نے نثر نگاری شروع کی۔ نثر میں کئی کتابیں لکھنے کے بعد میں نے شاعری کا بھی آغاز کر دیا۔ میرے اب تک دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور میرا تیسرا شعری مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے اپنے آپ کو مجلس احرارِ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ آٹھ سال تک میں مجلس احرار اسلام پاکستان کا جنرل سیکرٹری رہا اور اب اس وقت اس جماعت کا سینئر نائب صدر ہوں۔

س: آپ اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ایک ایسے خاندان سے وابستہ ہوں جو نہ صرف چنیوٹ بلکہ اس کے گرد و نواح میں بھی بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں یہاں اپنے دادا جان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کا نام گرامی حافظ خدا بخش صغیر ہے۔ جنھوں نے 1905ء میں چنیوٹ سے ایک ماہنامہ ''المنیر'' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا۔ جس کا ذکر ڈاکٹر امجد ثاقب نے اپنی کتاب ''شہرلب دریا'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ میرے دادا جان پنجابی زبان میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ ''گلزار مدینہ'' میں ان کا شعری کلام موجود ہے۔ میرے دادا جان کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ مولانا ظفر علی خان اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے قریبی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان اکثر میرے دادا جان کے مہمان بنتے۔ امیر شریعت کی چنیوٹ شہر میں پہلی دفعہ تقریر میرے دادا جان کی درخواست پر ہوئی تھی۔ چنیوٹ میں پہلے ہائی سکول کی تحریک بھی میرے دادا جان کی طرف سے ہوئی جو آج بھی ان کے مکان کے سامنے گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول کی صورت میں موجود ہے۔

میرے والد محترم نذیر مجیدی شاعر تھے۔ فکاہیہ غزلیں کہتے تھے اور فکاہیہ کالم بھی لکھتے تھے۔ ان کے کالم مختلف اخباروں میں ''تلخ وشیریں'' کے عنوان سے شائع ہوتے رہے۔ چنیوٹ کے ماہنامہ ''یادخدا'' میں ان کے کالم خصوصی طور پر شائع ہوتے۔ جب انھوں نے 1927ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں گیارھویں جماعت میں داخلہ لیا تو ان کے ہم جماعتوں میں مولا بخش خضر تمیمی اور ن م راشد جیسے معروف شعراء شامل تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وقت ن م راشد کا تخلص خضری ہوا کرتا تھا اور مولا بخش جو کہ خضر تمیمی کے نام سے معروف تھے ان کا تخلص خضر تھا۔ میرے والد محترم بتاتے تھے

کہ لڑکے ن م راشد کو خضر کی خضری کہتے تھے۔ جس پر انھوں نے تنگ آ کر اپنا تخلص تبدیل کر کے راشد کر لیا۔ ن م راشد کے والد اسلامیہ ہائی سکول چنیوٹ میں ٹیچر تھے۔ اپنے والد کی اس ملازمت کی وجہ سے ن م راشد کا بچپن چنیوٹ میں گزرا۔

میرے والد بعد میں لاہور چلے آئے اور یہاں پر انھوں نے روزنامہ پاسبان نکالا جو ایک معروف اخبار تھا۔ میرے والد صاحب نے زمیندار اخبار میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھ بھی کام کیا۔

س: آپ اپنی تصنیف و تالیف کے بارے میں ہمارے قارئین کو آگاہ کیجیے۔

ج: میری سب سے اہم کتاب تاریخ محاسبہ قادیانیت ہے جو کہ ایک ضخیم اور تحقیقی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندانی حالات سے لے کر اس کے دعاوی اور دعوہ نبوت تک کے حالات و واقعات قلم بند کیے گئے ہیں اور خصوصی طور پر ان شخصیتوں کا ذکر ہے جنھوں نے رد قادیانیت کے سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ پیر مہر علی شاہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور محمد حسین بٹالوی رحمہما اللہ کا ذکر ہے میری دوسری کتاب ''اقبال اور قادیانیت'' ہے۔ اس کتاب میں قادیانی کتب سے میں نے وہ مواد جو علامہ اقبال کے خلاف لکھا گیا ہے۔ اس کا رد پیش کیا ہے اور یوں سمجھئے کہ میں نے اقبال کی وکالت کی ہے۔

میری تیسری کتاب ''احرار تحریک کشمیر اور قادیانیت'' کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں مجلس احرار اسلام کا فکری اثاثہ پیش کیا گیا ہے۔ احرار، مسلم لیگ اور کانگریس کا تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ تحریک کشمیر میں مجلس احرار کے کردار اور کشمیر کو قادیانی ریاست بنانے کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

میری چوتھی کتاب ''اسلام اور اقتدار اعلیٰ'' ہے۔ یہ کتاب علم سیاسیات سے تعلق رکھتی ہے اور خصوصی طور پر مسلم پولیٹیکل تھاٹ کا ایک اہم ماخذ ہے۔ جس میں جمہوری تصورِ اقتدار اعلیٰ اور اسلامی تصورِ اقتدار اعلیٰ کے درمیان فرق واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔

میں نے اپنی جماعت کے حکم کی تعمیل میں اپنی خودنوشت ''ورق ورق زندگی'' کے نام سے لکھی ہے جو ہماری جماعت کے ترجمان ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ ''خواب خواب روشنی'' میری غزلوں کا مجموعہ اور ''حرف حرف بندگی'' میرا نعتیہ مجموعہ ہے جو منصۂ شہود پر آ چکے ہیں'' جبکہ حرف حرف آگہی'' کے نام سے میری غزلوں کا ایک اور مجموعہ ابھی شائع ہونے کے لیے تیار ہے۔

س: ادب کے کن درخشاں ستاروں سے آپ کی قریبی دوستی رہی؟

ج: میں اپنی ملازمت کے دوران مختلف جگہوں پر رہا۔ ملتان میں جابر علی سید، عرش صدیقی، ڈاکٹر اسلم انصاری، ڈاکٹر خیال امروہوی سے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔ اسی طرح بہاولپور میں شہاب دہلوی، تابش الوری، ظہور نظر، سہیل اختر اور عابد صدیق سے قرب حاصل ہوا۔

جب میں فیصل آباد آیا تو ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر انور محمود خالد، ڈاکٹر احسن زیدی، افضل رندھاوا اور پیر آصف

بشیر چشتی جیسے عظیم ادبی لوگوں سے مراسم قائم ہوئے۔ یہ وہ ادب کے درخشندہ ستارے ہیں جن سے میں نے فیض حاصل کیا۔

س: آپ نے مجلس احرار اسلام میں کب اور کیوں شمولیت اختیار کی؟

ج: جسے آپ باقاعدہ شمولیت کہتے ہیں وہ تو میں نے ریٹائرمنٹ کے بعد 1994ء میں حاصل کی۔ ویسے تو میں فطری احراری ہوں۔ جیسے جیسے میرا شعور پختہ ہوتا گیا ویسے ویسے میرا جذبۂ احرار بھی جوان ہوتا چلا گیا۔

س: حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ ان کی شخصیت کی کن خوبیوں سے زیادہ متاثر ہیں؟

ج: بقول شورش کاشمیری ”امیر شریعت کوئی سمجھنے سمجھانے والی شخصیت نہیں، بس پیار کرنے والی شخصیت ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے ان کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے:

کوئی باور نہ کرے گا وہ سخن کا اعجاز   شاید اب کوئی نہ سمجھے گا کہ کیسا تھا وہ

میں ان کی نجی محفلوں میں بیٹھا ہوں۔ میں نے ان کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں۔ میں ان کے اتنا قریب تھا کہ وہ مجھے شبیر بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اتنی بڑی شخصیت کے میں کیسے قریب ہو گیا۔ جس نے ہندوستان کی جنگ آزادی کو اتنی کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا کہ انگریز جیسی طاقت جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ہندوستان کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی رفتہ رفتہ تمام اقوام انگریزی جبر و استبداد سے نجات حاصل کر گئیں۔

امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ انگریز کو ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کر دو، اس کے نکلتے ہی اقوام عالم آزاد ہوں گی۔

ان کی بہت بڑی خواہش تھی کہ جب ہندوستان آزاد ہو تو مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے کہ اس جنگ کی آزادی شروع بھی مسلمانوں نے کی تھی اور اس جنگ آزادی میں جتنا مسلمانوں کا حصہ ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی قوم کا نہیں ہے۔

ان کی پوری زندگی کا خلاصہ اس بات میں موجود ہے کہ مجھے انگریز سے نفرت اور قرآن سے محبت ہے۔

میں ان کی اس بات سے بھی متاثر ہوں کہ دین اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والے طبقے کے خلاف علماء کی تبلیغ کو انھوں نے ایک عوامی تحریک میں تبدیل کر دیا اور حکومت وقت سے علامہ اقبال کے اس مطالبے کو منظور کروانے کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن گئے جو انھوں نے برطانوی حکومت سے کہا تھا کہ ختم نبوت کے عقیدے پر ایمان نہ رکھنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

س: امیر شریعت کے ان جانثار ساتھیوں کے بارے میں بتائیں جنھوں نے تحریک آزادی میں ان کے ساتھ مل کر اسے کامیابی سے ہم کنار کیا؟

ج: امیر شریعت کے چند نامور ساتھیوں میں سب سے پہلی شخصیت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ہے جو ایک لمبے عرصے تک مجلس احرار اسلام ہند کے صدر رہے ہیں۔ یہ شاہ صاحب کے وہ جانثار ساتھی تھے جن کی اکیلے کی قید تقریباً

پندرہ سال بنتی ہے۔ ان کے علاوہ مفکر احرار چودھری افضل حق کا نام آتا ہے جو اردو ادب میں بھی ایک نامور شخصیت ہیں۔ ان کے بعد شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد گل شیر شہید، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور آغا شورش کاشمیری کے نام قابل ذکر ہیں۔

س: مجلس احرار اسلام نے تشکیل پاکستان کی مخالفت کیوں کی؟

ج: اس بحث کا اب کوئی جواز نہیں، پاکستان کو بنے ستر سال ہوگئے ہیں، اب ہم سب پاکستانی ہیں اور پاکستان کی ترقی و استحکام کے بارے میں سوچتے ہیں۔ مجلس احرار اسلام نے ان لوگوں کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا کہ جو لوگ لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگا کر اور قوم کو یہ کہہ کر کہ آؤ ہمیں ووٹ دو ہم ایک ایسا ملک بنانے جا رہے ہیں جس میں خلفائے راشدین کے دور کے نظارے ہوں گے۔ امیر اور غریب کے درمیاب تفریق باقی نہیں رہے گی۔ امرا غریب پروری کا مظاہرا کریں گے اور غریب امرا کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ امیر شریعت کا خیال تھا کہ یہ ایسا نہیں کرسکیں گے۔ انھوں نے اپریل 1946ء میں اردو پارک کے وسیع میدان میں لاکھوں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ تاریخی فقرہ کہا تھا کہ ”مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ کل کو ملک کے کسی کونے پر اسلام نافذ ہوگا تو میں سب کچھ چھوڑ کر تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں“

احرار کا مؤقف تھا کہ قیادت اور نعرے میں تضاد ہے اور آج یہ مؤقف عملی طور پر سو فیصد درست ثابت ہوا ہے۔

س: جب پاکستان بن گیا تو آپ کے رہنماؤں کی کیا دلی کیفیات تھیں؟

ج: وہ ہماری جماعت کی رائے تھی جسے قوم نے مسترد کر دیا۔ ہم نے قوم کی رائے کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے جنوری 1949ء کو لاہور میں اپنی مکمل طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں پاکستان کی آزادی پر خوشی ہے اور اس کی جو بھی موجودہ شکل ہے اسے ہم دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔ بعد میں ہماری جماعت نے عملی طور پر بھی اس کی تائید میں اپنے طرز عمل کو پیش کر دیا۔

س: وہ جماعت جس کا 1931ء سے لے کر 1935ء تک پنجاب میں طوطی بولتا تھا بعد میں ایسی غائب ہوئی کہ عوام میں اس کا نام ونشان تک نہ رہا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

ج: جماعت وہ ہوتی ہے جس کا کوئی نصب العین ہو اور جو منظّم طریقے سے اپنے نصب العین کی کامیابی کے لیے اپنے تن من دھن کی قربانی دے۔

مجلس احرار اسلام کا پہلا نصب العین ملک کی آزادی تھا جو کہ قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر حاصل ہوا۔

دوسرا نصب العین وہ تھا جو سب سے پہلے علامہ اقبال نے انگریزوں کے دور میں ان لوگوں کے بارے میں کہا تھا جن کو عقیدہ ختم نبوت پر یقین نہیں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیں۔ مجلس احرار نے اقبال کے اس مطالبے کے لیے تین تحریکوں کو جنم دیا۔

پہلی تحریک اکتوبر 1934ء میں قادیان میں داخل ہو کر ایک مضبوط مرکز بنا کر چلائی۔

دوسری تحریک 1953ء میں چلائی اور تیسری تحریک 1974ء میں چلی جس میں مجلس احرار اسلام نے بھرپور حصہ لیا۔

ان تحریکوں کے محرک تو احرار ہی تھے پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کہیں نظر نہیں آئے۔ پاک و ہند میں مجلس احرار اسلام ہی وہ واحد جماعت ہے جو اسمبلیوں میں گئے بغیر اپنے دو بڑے مطالبات کو تسلیم کروانے میں کامیاب ہوگئی۔ اب اگر عوام ہماری طرف توجہ نہیں دیتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ہم انتخابی سیاست سے باہر ہیں۔

آپ مجھے یہ بتائیں کہ جو اس ملک میں سیاست ہو رہی ہے کیا اسے سیاست کہا جاسکتا ہے۔ کیا اس جمہوریت کو صحیح جمہوریت کہا جاسکتا ہے؟

س: کہا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی جماعت اتنے شعلہ بیان خطیبوں اور مقرروں پر مشتمل ہو جتنی کہ مجلس احرار اسلام تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: یہ تو وہ حقیقت ہے جسے ہمارے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت مسلم لیگ اور کانگریس دونوں احرار کی اس قوت گفتار سے خائف تھیں۔ یہ جماعتیں سوچتی تھیں کہ اس فن خطابت کی قوت کا کیسے مقابلہ کیا جائے۔

س: مجلس احرار اسلام نے غیر سیاسی ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟

ج: مسلم لیگ کو موقع دیا کہ وہ اپنے وعدے پورے کرے اور پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرے۔ اس کے لیے احرار نے مسلم لیگ کو اپنا تعاون پیش کیا۔

س: مجلس احرار اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس جماعت نے سب سے پہلے تحریک کشمیر کی قیادت کی۔ آپ کشمیریوں کی حمایت میں پاکستانی حکومت کے کردار سے مطمئن ہیں؟

ج: پچھلے کئی ادوار سے مقابلہ کرتے ہوئے ہم اس وقت کی حکومت کے کشمیر کے بارے میں موقف سے قدرے مطمئن ہیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ اب حکومت نے اقوام متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں کشمیریوں کو حق خودارادیت دینے کے مطالبے پر زور دیا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اقوام متحدہ کو بھی یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے۔

س: اسلام کے نام پر ہونے والی اس دہشت گردی کے بارے میں آپ کی جماعت کا کیا موقف ہے؟

ج: استعماری قوتوں نے اسلام کو بدنام کرنے اور پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے دہشت گردوں کی پشت پناہی کی۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ پاکستان حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست نہ بن سکے۔ اسلام، امن وسلامتی کا دین ہے دہشت گرد اسلام کے نہیں عالمی استعمار کے نمائندے ہیں۔ مجلس احرارِ اسلام عدم تشدد کی علم بردار جماعت ہے اور اپنے قیام کے دن سے ہی پُر امن ذرائع سے جدوجہد کی داعی ہے۔

مجلس احرار اسلام نے تحریک آزادی میں جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دہشت گردی کی ہر محاذ پر مذمت، مقابلہ اور حوصلہ شکنی کی جائے۔

س: پانامہ کیس کے حوالے سے سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ملک کے سیاسی منظرنامے میں کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی؟

ج: پانامہ کیس کے فیصلے کے بعد خواہ وہ کسی صورت میں بھی سامنے آئے ملکی سیاست میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں

ہوگی اور نہ ہی ملک سے کرپشن کا مکمل خاتمہ ہوگا۔

س: 2018ء کے انتخابی معرکے میں آپ کی جماعت کا کیا کردار ہوگا؟

ج: مجلس احرار اسلام اپنے حق رائے دہی کا اظہار کرے گی اور جس جماعت کے منشور کو اپنے نظریات سے قریب تر سمجھے گی اس کی بھرپور حمایت کرے گی۔

س: آپ کے نزدیک آئیڈیل ریاست کس طرح کی ہونی چاہیے؟

ج: آپ کا یہ سوال جاگتے ہوئے سہانے خواب دیکھنے کے مترادف ہے، کیوں کہ ہم تو اسی نظام حکومت کو اپنے خواب کی تعبیر سمجھتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے اندر قائم فرمایا تھا۔ یہ نظام اس وقت آیا تھا جب برطانیہ کا ڈارک پیریڈ تھا۔ چرچ اور سٹیٹ کے درمیان جنگ جاری تھی۔

انگلستان کی تاریخ میں 1215ء عیسوی میں میگنا کارٹا ایکٹ پاس ہوا جو جمہوریت کی طرف پہلا قدم قرار دیا جاتا ہے اور 1928ء میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ملا۔

حق تنقید تو جمہوریت کو اسلامی حکومت کی عطا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کیے ہوئے آئین میں قومی اسمبلی اور سینٹ کو ملا کر مجلس شوریٰ کہا جاتا ہے اور یہ مشاورت اور شوریٰ کے الفاظ بھی نظام خلافت کی عطا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئین بھی آپ سے اسی نظام کا تقاضا کر رہا ہے۔

1973ء کے آئین کا صحیح معنوں میں نفاذ ہوجائے تو معاشرے میں خودبخود تقویٰ، پرہیزگاری، پارسائی، محبت، شفقت، دیانت داری، احساس ذمہ داری، خوف خدا جیسی خوبیاں پیدا ہوجائیں گی۔ آئین کی اسلامی دفعات اس کی ضمانت دیتی ہیں۔

س: موجودہ حالات کے تناظر میں آپ ہمارے ملک کے سیاسی رہنماؤں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

ج: جب میں پاکستان کی گزشتہ ستر سال کی تاریخ کا سیاسی جائزہ لیتا ہوں تو مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ اس ملک کو سیاست، معاشرت اور معاشی طور پر جتنا نقصان ملک کے سیاست دانوں نے پہنچایا ہے اس کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس کی تین بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں میں احساس ذمہ داری اور خوف خدا کا فقدان ہے۔

دوسری وجہ خواہش اقتدار ہے اور تیسری وجہ ایسے لوگوں کا اقتدار میں آنا ہے کہ جن کے آباؤ اجداد میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس نے تحریک آزادی میں حصہ لیا ہو اور اس کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہوں جب کہ دوسری طرف میں آپ کو کئی ایسی مثالیں دے سکتا ہوں کہ جن ملکوں کی قیادت نے اپنی آزادی کے لیے تگ و دو کی اور ان کی قیادت میں ان کا ملک ترقی کرتا ہوا کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ نیلسن منڈیلا اور ماؤزے تنگ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

میں اپنے ملک کے سیاسی رہنماؤں کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان میں احساس ذمہ داری پیدا کرے اور اپنے ذاتی مفادات کو ملک کے مفادات پر قربان کرنے کا شعور عطا فرمائے۔ (آمین)

(روزنامہ ''جرأت'' لاہور، 6/ اپریل 2017ء)

عشق کے قیدی (قسط:۹)

ظفر جی

قسمتِ شہباز وشاہیں

27 فروری....1953ء....کراچی

ہم سویرے سویرے ہی سنٹرل جیل پہنچ گئے۔ چاند پوری نے پہلے تو وارڈن کو اچھی خاصی تبلیغ کی، جب وہ ٹس سے مس نہ ہوا تو منّت سماجت کی۔ اس پر بھی دال نہ گلی تو ایک بھاری سی تھیلی جیب سے نکال کر اس کی جب میں گھسیڑی اور کہا:

"پورے 5 روپے کا بھان ہے۔ اب روک کے دکھا۔"

وارڈن بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رات کو گرفتار ہونے والے مولویوں کی پہلی ملاقات اس قدر قیمتی بھی ہوسکتی ہے۔ پانسو "ٹیڈی پیسہ" بخشیش لے کر اُس نے جیل کا گیٹ کھول دیا۔ سونا اُس دور میں 400 روپے فی تولہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم جیل کے اے کلاس وارڈ میں بیٹھے ماسٹر تاج الدین انصاری صاحب کی بپتا لکھ رہے تھے:

"بھائی ہم تو بسم اللّٰہ مجرھا و مُرسٰھا پڑھ کر پولیس کی گاڑیوں میں سوار ہوگئے۔ حکومت سے یہی امید تھی۔ اگر بھاگنا ہوتا تو دفتر کا پچھلا دروازہ کھلا تھا اور پولیس بھی اُدھر موجود نہ تھی، لیکن ایسی اسیری پر سو آزادیاں قربان کہ جس کا تعلق ناموسِ رسالت سے ہو۔ جیل یاترا ہمارے لئے نئی بات نہیں۔ ہماری بیشتر زندگی جیل خانوں میں ہی کٹی ہے۔ ہم یہاں کے ادب آداب سے خوب واقف ہیں۔ بلکہ ان جیل خانوں میں مولوی کا آنا بھی باعثِ رحمت ہے۔ ایک مدت کے بعد آج یہاں اذانِ فجر گونجی ہے۔ باجماعت نماز ہوئی ہے۔ باقی رہا جیل افسران کا رویہ! تو ہم جانے پہچانے قیدی ہیں جو پورا ہندوستان گھوم پھر کر واپس جیل میں آجاتے ہیں۔ اب تک تو اچھا برتاؤ ہوا۔ سونے کو پلنگ مل گئے۔ صبح کے ناشتے میں ڈبل روٹی آگئی۔ چائے آگئی۔ وہی چائے جس کا ذائقہ کیکر کی مسواک جیسا ہوتا ہے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانہ کے ایک بہت بڑے رئیس تھے۔ تقسیم کے وقت لدھیانہ سے پاکستان جانے والے تمام مسلمانوں کو بخیریت پاکستان بھیج کر سب سے آخر میں خود پاکستان آئے۔ پاکستان تشریف لے آئے تو مہاجر کیمپ کے انچارج بنائے گئے۔ اگر نومولود ریاست میں اپنا کاروبار شروع کرتے تو یقیناً کروڑ پتّی ہوتے، لیکن مجلس احرار اسلام کے فقیر منش رہنماؤں سے دوستی ہوئی تو پوری زندگی تحفظ ختم نبوت کے لیے مرزائیت کے خلاف لڑتے ہوئے گزار دی۔ اس جرمِ عظیم اور تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں پہلے انگریز کی قید و بند برداشت کرتے رہے۔ اب پاکستان کے ناعاقبت اندیش مسلمان حکمرانوں کی قید بھگت رہے تھے۔

"سیاسی گرفتاری کے سبب فی الحال تو جیل کی A کلاس وارڈ میسّر آئی ہے۔ میز کرسی چارپائی سب کچھ مہیّا ہے۔ کافی کھلا

کمرہ ہے۔ ماشاء اللہ دو پلنگ اور چھت والا پنکھا بھی ہے۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں کبھی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر تحریک خلافت کی پاداش میں قید رکھے گئے تھے۔ فرق بس اتنا ہے کہ پنجرے وہی ہیں، اسیر بدل گئے ہیں۔ پہلے یہاں انگریز کے باغی رکھے جاتے تھے اور اب ذُریّتِ انگریز کے باغی قید ہیں۔ باقی جس زندان میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے زندہ دل موجود ہوں۔ صاحبزادہ فیض الحسن جیسے خوش مزاج سجادہ نشیں تشریف فرماء ہوں۔ شمسی صاحب جیسا سراپا ہنگام نوجوان موجود ہو اور ہمارے جیسے بذلہ سنج موجود ہوں وہاں اسیری چیز ہی کیا ہے! "

ہے اسیری اعتبار افزاء جو ہو فطرت بلند — قطرۂ نیساں سے ہوتی ہے صدف میں ارجمند
مُشکِ ازفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے — مُشک ہو جاتی ہے ہو کے نافۂ آہو میں بند

ہم ماسٹر صاحب کی بپتا لکھ رہے تھے کہ جیل سپرینٹنڈنٹ ادھر آ نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈے کی بجائے تسبیح تھی۔ اس نے کمرے میں جھانک کر پوچھا:

"پیر صاحب کہاں تشریف فرما ہیں؟ "

ماسٹر صاحب نے اشارے سے ساتھ والے کمرے کا بتایا۔

" کون سے پیر صاحب؟" چاند پوری نے حیرت سے پوچھا

"اپنے مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب۔ جیل سپرینٹنڈنٹ کا پورا خاندان ان کا مرید ہے" ماسٹر صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

" کمال ہے، پیر صاحب جیل میں اور مُرید جیل کا سپرینٹنڈنٹ ہے، ابھی تک یہ گستاخ جل کے بھسم نہیں ہوا! "

اتنی دیر میں وارڈن نے آ کر اطلاع دی کہ سپرینٹنڈنٹ صاحب دوسرے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ ہم بدایونی صاحب کے کمرے میں چلے آئے۔ جیل سپرینٹنڈنٹ پیر صاحب کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھا تھا۔

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم کیجئے، رہائی کے علاوہ۔" سپرینٹنڈنٹ نے کہا۔

"ہم رہائی چاہتے بھی نہیں۔" پیر صاحب نے کہا۔ "اگر ہو سکے تو ہمارے لئے ایک الگ کچن بنوا دیجئے اور کچا راشن دے دیجئے۔ ہم اپنا کھانا خود پکائیں گے۔ جیل کا کھانا ہمارے مزاج کا نہیں ہے۔ "

ٹھیک نصف گھنٹے بعد جب ہم جیل خانے سے باہر آ رہے تھے تو مستری اور مزدور اینٹ، سیمنٹ لئے جیل کے سامنے کھڑے تھے۔ پیر صاحب کی کرامات کا ظہور ہو چکا تھا۔ ہم شہر کی صورتحال جاننے کے لئے صدر کی جانب روانہ ہو گئے۔ شہر بھر میں ہڑتال تھی اور تمام مارکیٹیں اور ٹرانسپورٹ بند تھی۔ بندر روڈ پر عوام کا ایک بحر بیکراں موجزن تھا۔ یہ جمعیت علماء اسلام کا جلوس تھا جو صدر کی طرف روانہ تھا۔ ہم جلوس کو چیرتے بمشکل سیون ڈیز تک پہنچے۔ سامنے جامع کلاتھ کی طرف سے جمعیت علماء پاکستان کا جلوس چلا آ رہا تھا۔ سیون ڈیز سے ہم صدر کی طرف گھومے تو اِدارہ تحفظِ حقوق شیعہ کا جلوس ایمپریس مارکیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ عوام پرجوش تھے اور پولیس پریشان۔ تقریباً چھ سات ہزار نفوس یہاں جمع تھے۔ پولیس کی صرف چھ گاڑیاں اور ایک ٹرک جلوس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ ایک پولیس انسپکٹر وائرلیس پر کمشنر کراچی اے ٹی نقوی کو صورتحال بتا رہا تھا۔

"سر ہجوم بڑھ رہا ہے، ہمارے پاس فورس بہت کم ہے....اوور! "

"اگر یہ لوگ پرامن احتجاج کرتے ہیں تو اُن کو کرنے دو....اوور!"

"سر! یہ لوگ گرفتاریاں دینا چاہتے ہیں....اوور!" انسپکٹر نے کہا۔

"ٹھیک ہے جو گرفتاری دینا چاہتا ہے۔ اسے گرفتار کرلو....اوور "

"لیکن سر! ہمارے پاس گاڑیاں صرف تین ہیں اور یہاں چھے سات ہزار آدمی کھڑے ہیں۔ مزید لوگ بھی آ رہے ہیں۔ "

"باری باری سب کو بٹھا کر جیل خانے چھوڑ آؤ....اوور "

ہجوم جو پہلے ہی بے تاب کھڑا تھا، پولیس گاڑیوں پر ٹوٹ پڑا۔ پل بھر میں چھے موبائل وین اور ایک ٹرک کھچا کھچ بھر چکے تھے۔ یہ سب لوگ جیل جانا چاہتے تھے۔ جیل انتظامیہ ایک ساتھ اتنے قیدی سنبھالنے کو تیار نہ تھی۔ قید کرنے کے لئے اچھی خاصی ضابطے کی کاروائی کرنا پڑتی ہے۔ انسپکٹر نے ایک بار پھر اے۔ ٹی۔ نقوی سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا" ٹھیک ہے۔ بغیر اندراج کے اندر جانے دو۔"

اس پر ہجوم تمام رکاوٹوں کو توڑتا جیل خانے میں گھس گیا۔ انوکھا منظر تھا کہ ہر کوئی عشق کا قیدی بننا چاہتا تھا۔ بڑے تو بڑے بچّے تک گھروں سے اسیری کے لئے تیّار ہو کر آئے تھے۔ پہلے دِن چار ہزار مسلمانوں نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ کراچی سینٹرل جیل کسی ریلوے پلیٹ فارم کا منظر پیش کرنے لگی۔ ہر شخص یہاں اپنے لئے ایک مناسب پنجرے کی تلاش میں تھا، جہاں قید ہو کر وہ ختمِ نبوت کے اسیروں میں اپنا نام لکھوا سکے۔

کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام وقفس سے بہرہ مند　　ہر کسی کی تربیّت کرتی نہیں قدرت مگر

شہپرِ زاغ وزغن در بندِ قید وصید نیست　　ایں سعادت قسمتِ شہباز وشاہیں کردہ اند

28 فروری....1953....کراچی

دُوسرے دِن شہر پھر بند ہوا۔ آج پولیس کے دو ٹرک تین لاریاں اور آٹھ ویگنیں آئی ہوئی تھیں۔ صبح نو بجے جلوسوں کی آمد شروع ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایمپریس مارکیٹ سے لے کر ڈرگ روڈ تک سر ہی سر نظر آنے لگے۔ ڈرگ روڈ شاہراہِ فیصل کا پرانا نام ہے۔ لوگ گرفتاری دینے کے لئے ٹرکوں اور لاریوں پر چڑھ گئے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح گرفتار ہو کر جیل پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔ پولیس قیدیوں کو لے کر سینٹرل جیل پہنچی تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی۔ جیل سپرینٹنڈنٹ نے قیدیوں کو لینے سے صاف انکار کر دیا۔ جیل کا گیٹ بند کر کے تالہ لگا دیا گیا۔

"انسپکٹر صاحب! یقین کریں، ہمارے پاس بالکل گنجائش نہیں ہے۔" جیلر نے کہا۔

"سر! آپ انہیں جیل کے احاطے میں بٹھا دیں۔" پولیس انسپکٹر نے منّت کی۔

"بھائی احاطے میں کیسے بٹھا دوں۔ اتنے لوگوں کا کھانا کون پورا کرے گا؟ "

"لیکن میں ان کو کہاں لے کر جاؤں؟" انسپکٹر نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ آپ کمشنر صاحب سے پوچھو۔ جنہوں نے گرفتاری کے احکامات دیے ہیں۔ "

انسپکٹر وائرلیس پر کمشنر کراچی اے۔ٹی۔نقوی سے رابطہ کرنے لگا۔

"ایچ کیو وَن...ایچ کیو وَن....سر جیلر صاحب قیدیوں کو ایکسپٹ نہیں کر رہے....اووَر۔! "

" کتنے لوگ ہیں یہاں....اووَر!" کمشنر صاحب نے پوچھا۔

"سر یہاں تو تقریباً تین سو کے لگ بھگ ہیں،لیکن صدر میں ایک لاکھ آدمی کھڑا ہے....اوور! "

"تمہارے پاس کتنے ٹرک ہیں!"

"سر! فی الحال دو ٹرک اور تین لاریاں ہیں! "

"ایسا کرو انہیں لاریوں میں بٹھاؤ اور کراچی سے دس کلومیٹر دُور چھوڑ کر آجاؤ! "

" کہاں چھوڑ کے آنا ہے سر! "

" کراچی سے دُور چھوڑ آؤ، کہیں بھی...اوور!!!"

"او کے سر! اووَر اینڈ آؤٹ۔ "

اس کے بعد انسپکٹر لاریوں میں بیٹھے ہوئے مستانوں سے مخاطب ہوا:

"سنو! آپ سب کو حیدرآباد جیل بھیجنے کا آڈر ملا ہے۔ اگر کوئی واپس جانا چاہتا ہے تو ابھی اُتر جائے۔ "

کوئی ایک شخص بھی لاریوں سے نیچے اترنے پہ آمادہ نہ ہوا۔

عاشقوں کا قافلہ انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ پولیس وین بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ دو گھنٹے کی مسافت کے بعد یہ قافلہ کراچی سے تقریباً آٹھ دس کلومیٹر دُور ایک ویرانے میں جا کر رُک گیا۔

"سب لوگ نیچے آ جاؤ بھائی۔" پولیس والے نے کہا۔

" کیا حیدرآباد آ گیا؟" ایک بزرگ نے پوچھا۔

"حیدرآباد کا آرڈر کینسل ہو گیا ہے۔ اب یہیں اُترو۔"

"لیکن تم نے تو حیدرآباد جیل لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔" قیدیوں نے شور کیا۔

"حیدرآباد جیل میں گنجائش نہیں ہے بابا جی! جلدی کرو، ہم نے باقی قیدیوں کو بھی لے کر آنا ہے۔ "

قیدی اطمینان سے نیچے اترنے لگے۔ یہاں دُور دُور تک کوئی آبادی نہ تھی۔ ہر طرف ٹیلے، کھائیاں، صحراء، تھوہر اور کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لاریاں قیدیوں کو اِس ویرانے میں اتار کر واپس چلی گئیں۔ لوگ اس بے آب و گیاہ صحرا کو چیرتے واپس کراچی کی طرف ہو لئے۔ ان میں ستر اَسی سالہ بوڑھے بھی تھے اور سات آٹھ سال کے بچّے بھی۔ عام دیہاڑی دار مزدور بھی تھے اور متموّل لوگ بھی۔ بریلوی بھی تھے، اہلحدیث بھی، دیوبندی بھی اور شیعہ بھی، لیکن اس وقت یہ سب اس راہِ عشق کے مسافر تھے، جس کے کانٹے بھی پھول معلوم ہوتے ہیں۔ سارا دِن کراچی کی پولیس قیدیوں کو

لاریوں اور ٹرکوں میں ڈال کر کراچی سے باہر ویرانوں میں چھوڑتی رہی اور سارا دن عشق کے مسافر پیدل چل کے واپس کراچی پہنچتے رہے۔ پولیس کا رویّہ قیدیوں کے ساتھ دوستانہ تھا اور قیدی بھی کسی سے الجھ نہیں رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی ذمّہ داری نبھا رہا تھا۔تحریکِ ختمِ نبوت کے پروانوں کی تربیّت کا بنیادی جزو ہی برداشت اور قربانی تھا۔

ایک پھیرے کے دوران جب پولیس قیدیوں کو ویرانے میں اتارنے لگی تو اُن میں ایک ننھا منا سا بچّہ بھی تھا۔ سفید قمیص میں ملبوس، یہ پھول سا بچّہ جانے کب چپکے سے لاری میں سوار ہو گیا اور اب ویرانے میں کھڑا مسلسل "تاج و تختِ ختمِ نبوت....زندہ باد" کے نعرے لگا رہا تھا۔ پولیس افسر انسپکٹر شجاع بلوچستان کا رہنے والا اور بال بچّے دار آدمی تھا۔ جب سب قیدی اُتر چکے تو اُس ننّھے بچے کو دیکھ کر شجاع کا دل پسیجا، اُس نے ڈرائیور کو لاری روکنے کا کہا۔

"آؤ بیٹا! میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" انسپکٹر لاری سے نیچے اتر آیا۔

"نہیں، میں ساتھیوں کے ساتھ پیدل ہی آؤں گا۔" بچّے نے جواب دیا۔

"لیکن بیٹا تم اتنا پیدل نہیں چل سکو گے۔ آجاؤ میرے ساتھ۔ "

" کبھی نہیں، میری ماں نے مجھے ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونے کے لئے بھیجا ہے۔ "

بالآخر انسپکٹر نے ڈرائیور کو لاری بڑھانے کا حکم دے دیا۔ ابھی وہ بمشکل نصف کلومیٹر ہی چلے تھے کہ انسپکٹر کو پھر بچّے کا خیال آ گیا۔ اس نے ڈرائیور کو گاڑی واپس موڑنے کا حکم دیا۔ انسانی ہمدردی، اسلامی جذبہ یا پدرانہ شفقت تھی کہ انسپکٹر شجاع ایک بار پھر بچّے کی منّت زاری کر رہا تھا۔

"بیٹا میرے ساتھ آ جاؤ، دیکھو ضد نہیں کرتے۔ "

ساتھی رضا کاروں نے بھی بچّے کو سمجھایا کہ لاری میں بیٹھ جاؤ، تمھاری حاضری ہو گئی، لیکن وہ نہ مانا اور تنک کر بولا: "آپ لوگ زیادہ ایمان والے ہو اور مجھے کمزور سمجھتے ہو۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گا! "

آخر درماندہ دل انسپکٹر ہار گیا اور عشق کا یہ ننھا پھول جیت گیا۔

کیا تمازت، دھوپ کیسی، اور کہاں کی حدتیں ان کا دامن تھام لو پھر حشر تک سایہ بہت

خیبر میل

29 فروری....1953

ہم خیبر میل پر بیٹھ کر لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔

"خیبر میل وہ گاڑی ہے جو اس پاک دھرتی پر 1947ء سے چل رہی ہے" چاند پوری نے بتایا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ نہ تو آج تک وقت پر آئی ہے، نہ ہی وقت پر پہنچ پائی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ گاڑی کا نہیں....ریلوے انتظامیہ کا قصور ہے۔ "

"70 سال سے انتظامیہ بھی تو نہیں بدلی۔ باپ فوت ہوا تو بیٹا بیٹھ گیا۔ بیٹا فوت ہوا تو پوتا بیٹھ گیا۔ "

اندرون سندھ تک تو کوئی خاص رش نہ تھا، لیکن جونہی پنجاب شروع ہوا، ایک میلے کا سا سماں بندھ گیا۔ ہر طرف ختم نبوت کے سبز جھنڈوں اور بینروں کی بہار تھی۔ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر طرف ایک جوش اور ولولہ دکھائی دے رہا تھا۔ صبح چھ بجے ہم رحیم یار خان پہنچ گئے۔ یہاں 15 منٹ کا سٹاپ تھا۔

چاند پوری اخبار کی تلاش میں نکلے اور کچھ دیر بعد ''نوائے وقت'' لے کر لوٹے۔

"ایک کاپی ''زمیندار'' کی بھی لے آتے، بک گیا تھا کیا؟ "

"بکا نہیں بند ہو گیا ہے۔ ''زمیندار'' بند۔ ''آزاد'' بند۔ ''چٹان'' بند۔ ''احسان بند''۔ ہر وہ اخبار جو ختمِ نبوت کی بات چھاپتا تھا، سرکار نے بند کر دیا ہے! "

ایک دیہاتی بزرگ پلیٹ فارم پر لوئی لپیٹ کر کھڑے تھے۔ ہماری بات چیت سن کر پاس چلے آئے۔

" کتھوں آ رہے او پائی جی؟ "

(کہاں سے آ رہے ہو، بھائی)

" کراچی سے.... "

" کی حالات نیں دار الحکومت دے۔ مجلس والیاں دی کوئی خیر خبر؟ "

(کراچی کے کیا حالات ہیں، مجلس عمل کی کوئی خبر؟)

" مجلس عمل کی قیادت تو گرفتار ہو چکی بابا۔ آپ کو نہیں معلوم؟ "

"نئیں پتّر! اخبار وچ تے نئیں آیا۔ ایتھے وی سب نوں پھڑ لیا۔ "

(نہیں بیٹا! اخبار میں تو نہیں آیا۔ یہاں بھی سب کو پکڑ لیا ہے۔)

"حالات بہت خراب ہیں بابا۔ "

"آہو، مسلم لیگیاں پہلے اسلام دے ناں تے مسلماناں نوں گھروں کڈھیا، تے ہن اسلام دے ناں تے اندر کر رہے نیں۔"

(جی ہاں! مسلم لیگیوں نے پہلے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو بے گھر کیا اور اب اسلام ہی کے نام پر جیلوں میں ڈال رہے ہیں۔)

"اندھیر نگری ہے بابا.... اندھیر نگری! "

"آہو تے ہور کی۔ پہلے بابے قائداعظم نوں بنیرے لایا۔ فیر لیاقت علی خان دا کنڈا کڈھیا، تے ہن مُلک دا بیڑہ غرق کرن دا پروگرام ایں۔ پہلے مسلم لیگ سی۔ ہن مرزائی لیگ بن گئی اے"

(ہاں تو اور کیا۔ پہلے قائداعظم کو کنارے لگایا، پھر لیاقت علی خان کا کانٹا نکالا اور اب ملک کو تباہ کرنے کا پروگرام ہے۔ پہلے مسلم لیگ تھی، اب مرزائی لیگ ہے۔)

کراچی میں مجلس کے رہنماؤں کی گرفتاری خفیہ رکھی گئی تھی۔ یہاں تک کہ اخبارات کو بھی خبر نہ مل سکی۔ ٹیلی فون ضرور کھڑکائے گئے، لیکن یہ آلہ بھی ان دنوں خاص خاص دفاتر میں ہی بجتا تھا۔ اگلے دن پنجاب بھر میں گرفتاریوں کی لہر

چل نکلی۔جگہ جگہ چھاپے پڑے تو عوام کو پتا چلا کہ تحریکِ ختم نبوت کا کڑا مرحلہ "ڈائریکٹ ایکشن" شروع ہو چکا ہے۔چاند پوری نے اخبار میری گود میں پھینکا اور پڑھنے کا حکم نامہ جاری کیا۔

"لاہور میں سرظفراللہ خان کا جنازہ"

" کیا!....فوت ہوگئے؟"وہ ایک دم سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔

"نہیں جناب! دیال سنگھ کالج لاہور کے طلباء نے کل لاہور میں سرظفراللہ خان کا ایک علامتی جنازہ نکالا۔اس موقع پر احمدی اور غیر احمدی طلبا کے بیچ شدید پتھراؤ ہوا۔متعدد طلبا زخمی۔ "

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سیٹ سے پشت لگالی۔

"قُلفی والا.....ٹھنڈی قلفی....چائے والا....گرم چائے...."پلیٹ فارم پر صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

"اور کوئی خبر؟"انہوں نے پوچھا۔

" قلفی کتنے کی ہے؟"میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا۔

"اک پائی دِیاں دو۔"

(ایک پائی کی دو۔)

"ایک پائی نکالئے گا۔"میں نے قلفی پکڑتے ہوئے چاند پوری سے کہا۔

"یار!تم مجھے پائی پائی کا محتاج کر کے چھوڑو گے۔فروری میں کون کھاتا ہے قلفیاں؟"انہوں نے ہاکر کو پائی کا سکّہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"پچھلے اسٹیشن سے جو پکوڑے کھائے تھے،وہ گرمی کر رہے ہیں۔"

"اب اگلے اسٹیشن پر سردی نہ دُور کرنے لگ جانا۔پڑھو آگے۔ "

" لاہور(نامہ نگار) نارتھ ویسٹرن ریلوے ورکشاپ میں ایک احمدی نے ایک غیر احمدی کے سر میں قُلفی مار کے،اوہ سوری،سریا مار کے شدید زخمی کر دیا۔تفصیلات کے مطابق احمدی کو کئی روز سے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔احمدی روپوش۔پولیس ملزم کا سراغ لگا رہی ہے۔ "

"پولیس تو صدیوں سے سراغ ہی لگا رہی ہے۔چھپ گیا ہوگا۔ربوہ میں جا کر۔آگے پڑھئے۔ "

"لاہور میں رات بھر جلسے۔احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں۔ "

"ماشاءاللہ!لاہور ابھی تک چٹان بن کر کھڑا ہے....اور کچھ؟ "

"ساہیوال میں غیر احمدیوں نے دو احمدی مبلغین کے منہ کالے کر دیے۔ "

"پہلے سفید تھے!اچھا....اور کچھ؟ "

"لاہور میں ایک غیر احمدی دوکاندار نے ایک احمدی عورت کو آٹا فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔"

" گھٹیا خبر.....اور کچھ؟ "

"سنّت نگر کے ایک پرائمری سکول میں ایک احمدی بچّے کو چند غیر احمدی بچّوں نے گھیر لیا....تھپّڑ مارے....اور مرزائیت مردہ باد کے نعرے لگائے۔ "

"اندازہ کرو یار! اگر یہی حالات رہے تو مسلم اور غیر مسلم کی اصطلاح ختم ہو جائے گی۔احمدی اور غیر احمدی ہی رہ جائے گا۔ "

"ویسے حیرت ہے کہ ملک میں ابھی تک کوئی بڑا فساد یا تشدّد کا واقعہ نہیں ہوا۔" میں نے کہا۔

" تین سال تک علماء نے عوام کی تربیّت کی ہے۔تب اُن کو سڑکوں پر لے کے نکلے ہیں۔ورنہ آج قادیانیوں کے محلوں سے دھواں نہ اٹھ رہا ہوتا۔ "

ملتان اسٹیشن پر چاند پوری اترے، اور واپسی پر حضرت امیر شریعت کے فرزند مولانا سید ابوذر بخاری کا اخبار سہ روزہ ''مزدور" لے کر پلٹے۔

"بری خبر....مولانا محمد علی جالندھری گرفتار....اللہ رحم کرے!"

انہوں نے اخبار کھولتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے ملتان میں بھی تحریک زوروں پر ہے۔" میں نے کہا۔

''جی بالکل، ملتان نے تو پہلا خون پیش کیا ہے۔اس تحریک میں تقریباً سال بھر پہلے کا واقعہ ہے۔19رجولائی 1952ء اسی ملتان شہر میں ختم نبوت کے پرامن جلوس کو خاک وخون میں تڑپایا گیا تھا...... پندرہ منٹ میں 70 گولیاں چلائی گئیں۔جس سے 6 افراد شہید ہوئے اور 15 زخمی۔اس واقعہ پر کمال کی نظم لکھی تھی ایک شاعر نے اور وہ نظم ہر جلسے میں پڑھی جاتی تھی......سناؤں؟''

"جی جی...ضرور..." میں نے کہا۔

چاند پوری پُورے ترنّم سے نظم پڑھنے لگے:

ملتان کے شہیدو۔ملتان کے ستارو

ملتان تُم پہ قُرباں

ملتان تم پہ نازاں

مسرور ہوگئی ہیں، ملتان کی فضائیں

پرنور ہوگئی ہیں، ملتان کی فضائیں

ملتان مسکرایا

ملتان جگمگایا

ملتان جھومتا ہے

ملتان چومتا ہے

نقشِ قدم تمہارے ملتان کے دلارو

ملتان کے شہیدو ملتان کے ستارو

"واہ...سبحان اللہ.....نظم بھی خوب ہے اور آپ کا ترنّم بھی قابلِ داد"

"آداب....آداب!" چاند پوری کِھل اُٹھے۔

" لکھی کس نے تھی اتنی خوبصورت نظم؟"

"لاہور کا ایک مست حال شاعر ہے....ساغر صدیقی! "

"ساغر صدیقی؟" واہ....سبحان اللہ! "

"یہ سچے رب کی عطاء ہے بھائی! جو بات بڑے بڑے عالی دماغ نہ سمجھ سکے۔ رب تعالیٰ نے ایک خانماں برباد، مست حال شاعر کو سمجھا دی۔ خوش نصیب ہے، وہ شخص، جو ختمِ نبوت کے کام میں کہیں نہ کہیں استعمال ہو گیا اور انتہائی بدنصیب ہے وہ انسان، جو اِس تحریک کے سامنے پتھر کا بُت بن کر کھڑا ہو گیا۔ "

خیبر میل ہمیشہ کی طرح لیٹ ہو گئی۔ تقریباً مغرب کا وقت تھا اور ٹرین ساہیوال میں کھڑی تھی۔ نوجوانوں کی ایک ٹولی ٹرین کے ڈبّے میں سوار ہوئی اور ہر طرف نعروں کا شور مچ گیا۔ تاج و تختِ ختم نبوت....زندہ باد۔ مولانا شفیع اوکاڑوی....زندہ باد۔ نوجوانوں ہی کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی بھی اسیر ہو چکے ہیں۔ ان کو ساہیوال جیل میں رکھا گیا تھا۔ اب یہ لوگ تحریک میں شامل ہونے کے لئے لاہور جا رہے تھے۔ چاند پوری گاڑی سے اترے اور کچھ ہی دیر بعد "ڈان" اخبار بغل میں دبائے واپس آئے۔

"یہ کیا؟ اب آپ ڈان پڑھیں گے؟ یہ تو حکومتی اخبار ہے۔ "

"جب پانی کا بہاؤ اُلٹا ہو تو کبھی کبھی چپّو چھوڑ کر لہروں کا مشاہدہ بھی کرنا چاہیے۔ "

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کم از کم اخبار تو سیدھا پکڑ لیجئے۔ "

گاڑی ابھی چلی نہ تھی کہ ریڈ (Raid) ہو گیا۔ ایک پولیس پارٹی بوگی میں داخل ہوئی اور شور کیا:

"چلو باہر نکلو، مولبی لوگ سب باہر نکلو، جلدی! "

نوجوانوں کی ٹولی نعرے لگاتے ہوئے گاڑی سے نیچے اترنے لگی۔

ایک پولیس والا تیر کی طرح ہمارے پاس آیا اور بولا:

"سُنا نہیں، مولوی لوگ، نیچے اترو سب۔ "

چاند پوری چشمے سے جھانکتے ہوئے بولے۔

"پروفیسر آفتاب چاند پوری....کچھ ہم سے کہا آپ نے؟؟ "

"نہیں نہیں، سر آپ بیٹھیں۔ ہم تو مولویوں کو اتار رہے تھے۔ لاہور میں ہنگامے شروع ہو گئے ہیں۔ "

(جاری ہے)

شیر کی ایک دن کی زندگی......ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ

فیروز الدین احمد فریدی

۴؍مئی ۱۷۹۹ء ہماری تاریخ کا وہ الم ناک دن ہے جب برصغیر پاک و ہند کا ایک غیرت مند سپوت اپنی مادرِ وطن پر یہ کہہ کر نثار ہو گیا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ یہ سانحہ بیتے دو صدیاں بیت چکی ہیں لیکن آج بھی ہمارے کان یہ فقرہ ایک بار پھر سننے کو ترس رہے ہیں۔ یہ ملت آج اپنے ٹیپو سلطان کو تلاش کر رہی ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ آج کس کو کس کا امتحان مقصود ہے؟

ٹیپو کے آباؤ اجداد کا تعلق بلوچستان کے ضلع خضدار کے قبیلے زرکزئی سے بتایا جاتا ہے جو آج بھی وہاں آباد ہے۔ ٹیپو کی والدہ کا نام فاطمہ اور والد کا نام حیدر علی تھا۔ سلطان حیدر علی کو قدرت نے جنوبی ہندوستان میں ایک وسیع و عریض سلطنت سے نوازا تھا جس میں بنگلور بھی شامل تھا۔ یہ شہر آج کمپیوٹر کی صنعت کا مرکز ہونے کی وجہ سے عالمی شہرت رکھتا ہے لیکن یہ شہرت آنی جانی ہے۔ بنگلور کی دائمی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کی جائے پیدائش ہے۔

روایت ہے کہ حیدر علی نے جنوبی ہندوستان کے شہر ارکاٹ میں ایک ولی اللہ ٹیپو مستان کے مرقد پر حاضری کے دوران اللہ سے بیٹے کی دعا مانگی اور جب ۱۰؍نومبر ۱۷۵۰ء کو بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام ٹیپو رکھا۔

ٹیپو کے دادا کا نام فتح محمد تھا۔ ٹیپو نے اپنے ایک بیٹے کا نام فتح حیدر رکھا جو ٹیپو کے باپ اور دادا دونوں کے ناموں کا مرکب تھا۔ خود ٹیپو کا نام فتح علی خان مشہور ہوا جس کا پہلا لفظ ان کے دادا کے نام کا پہلا لفظ اور جس کا دوسرا لفظ ان کے والد کے نام کا آخری لفظ تھا۔ تاہم ٹیپو ان کا لقب نہیں بلکہ ان کا پیدائشی نام تھا۔ ان کی کنیت ان کے بیٹے فتح حیدر کی نسبت سے ابوالفتح تھی۔

ٹیپو سچے مسلمان اور عظیم سپاہی تھے وہ ہر وقت باوضو رہتے۔ نماز فجر کے بعد بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ اپنے ہر شاہی فرمان کی پیشانی پر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ لکھتے۔ سلطنت کا نام سلطنتِ خداداد میسور تھا۔ آخری عمر میں جو پورے پچاس برس بھی نہ ہو سکی، پلنگ پر سونا چھوڑ دیا۔ زمین پر کھدر بچھا کر سوتے۔

ایک عظیم سپاہی کی حیثیت سے وہ اپنے زمانے کے تمام فنونِ سپہ گری مثلاً شمشیر زنی، تیر اندازی، نیزہ بازی، گھڑ سواری، کشتی اور تیراکی میں مہارت رکھتے تھے۔ گھڑ سواری اور نیزہ بازی سے خصوصی شغف تھا۔ ہر جنگ میں اپنے سپاہیوں کے شانہ بشانہ ہوتے جو ایک جرنیل کا وصف ہوتا ہے۔ ہندوستان کے کسی حکمران کو بحریہ کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا۔ ٹیپو

سلطان برصغیر پاک و ہند کے پہلے حکمران تھے جنھوں نے بحریہ کی اہمیت کو سمجھا۔

وہ عالموں اور بزرگوں کی قدر کرتے۔ ٹیپو کو عربی اور فارسی زبانوں پر خاصا عبور تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھ لی تھیں۔ مقامی ''بولی کنڑی'' سے بخوبی آگاہی تھی۔ اردو اس وقت جنوبی ہندوستان میں پنپ رہی تھی اور شہید سلطان کی اس نوخیز زبان سے بھی شناسائی تھی۔ ان کی فوج کے لیے جو رجزیہ ترانے تجویز کیے گئے ان میں اردو ترانے بھی شامل تھے۔

دکن میں اردو کا ذکر نکلا ہے تو یہ بات بتا دی جائے کہ اردو کے پہلے مشہور شاعر ولی دکنی اورنگ آباد (دکن) میں ۱۶۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ٹیپو سلطان اس کے ۸۲ سال بعد ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ولی دکنی نے ۱۷۴۲ء میں احمد آباد (گجرات) میں وفات پائی۔ ٹیپو اس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ولی دکنی کا ایک شعر یہ ظاہر کرنے کے لیے یہاں درج کیا جا رہا ہے کہ ان کے سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کے کلام میں استعمال کی جانے والی اردو پر کس قدر ۲۱ویں صدی کی شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ شعر یہ ہے

کہاں ہے آج یا رب جلوۂ مستانۂ ساقی　　　کہ دل سے تاب، جی سے صبر، سر سے ہوش لے جاوے

جب ۷؍دسمبر ۱۷۸۲ء کو سلطان حیدر علی نے سرطان کے مرض سے وفات پائی تو ۲۶؍دسمبر ۱۷۸۲ء کو ابوالفتح فتح علی خان ٹیپو سلطان تخت نشین ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۳۲ سال تھی اور انھیں بیک وقت تین تجربہ کار اور طاقت ور حریفوں کا سامنا تھا۔ اولاً انگریز، ثانیاً مرہٹے اور ثالثاً ولی دکنی کا ہم وطن نظامِ دکن۔ ٹیپو سلطان نے اپنی خداداد بصیرت سے دیکھ لیا تھا کہ نہ صرف ان کے بلکہ برصغیر کے سب سے بڑے دشمن انگریز ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے سلطان نے سہ نکاتی حکمت عملی وضع کی۔ اس کا پہلا نکتہ اپنی بری فوج کو جدید خطوط پر منظّم کرنا تھا جس کے لیے انگریز کے سب سے بڑے دشمن ملک فرانس کے ماہر فوجی افسروں کا چناؤ کیا گیا۔ فوج کے لیے ''فتح المجاہدین'' کے نام سے ایک کتاب لکھوائی جس میں نہ صرف وہ سب فوجی اصول اور قواعد درج تھے جو یورپ میں رائج تھے بلکہ سلطان کے اپنے جنگی تجربات پر مبنی عسکری قواعد بھی شامل تھے۔

بحریہ کی اہمیت بھانپتے ہوئے سلطان نے اپنی بحریہ قائم کی تاکہ وہ سلطنت کے مغربی ساحل کی حفاظت کر سکے۔ یہ خیال مرہٹوں کو آیا اور نہ نظام دکن کو۔ سلطان نے بحریہ کو جو اہمیت دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بحری جہازوں کے نقشے بعض اوقات خود تیار کرتے تھے۔ سمندر میں مقناطیسی چٹانوں سے بچاؤ کے لیے جہازوں میں لوہے کے بجائے تانبے کا استعمال ٹیپو کے ذہن رسا کا مرہون منت ہے۔ سلطنت کے چار شہروں میں ''تارامندل'' کے نام سے چار اسلحہ ساز کارخانے قائم کیے گئے جن میں معیاری توپیں، بندوقیں اور ایسی ڈھالیں ڈھالی جاتی تھی جن پر گولی اثر نہیں کرتی تھی۔

حکمت عملی کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ سلطان نے اپنے ہم عصر ہم، وطن حکمرانوں کو جھنجھوڑ کر جگانے کے لیے بار بار اور بھر پور کوششیں کیں۔ مرہٹوں کو سمجھایا کہ اپنے مشترکہ دشمن کو پہچانیں۔ نظام حیدر آباد دکن کو لکھا کہ آپ پر تو میری امداد خصوصاً واجب ہے کیوں کہ میں مسلمانوں کو تقویت پہنچا رہا ہوں۔ مرہٹوں کی سیاست کا مرکزی کردار ان کا مشہور مدبر نانا فرنویس تھا جو سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھا۔ رہ گیا نظام دکن تو اس مسلمان کہلانے والے حکمران نے بھی اپنے ہم مذہب، ہم قوم، ہم وطن اور فطری اتحادی ٹیپو کے بجائے سات سمندر پار بسنے والے انگریز تاجروں کو ترجیح دی۔ تاریخ کیسے خود کو دہراتی ہے اکیسویں صدی عیسوی کے مسلمان حکمران بھی اٹھارویں صدی کے نظام دکن کی روش پر چل رہے ہیں۔ وہ بھی نادان تھا، یہ بھی نادان ہیں۔

حکمت عملی کا تیسرا نکتہ یہ تھا کہ سلطان نے انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے فرانس، ترکی، ایران اور افغانستان میں خصوصی سفارتی وفود بھیجے۔ ان میں سے ایک کا ذکر دلچسپی کا حامل ہوگا۔ نوجوان نپولین بونا پارٹ، مصر فتح کرنے کے بعد اس وقت بحیرۂ قلزم کے ساحل پر خیمہ زن تھا۔ ۲۶/جنوری ءکو (سلطان کی شہادت ۴/مئی ۱۷۹۹ء کو ہوئی) اس نے ٹیپو سلطان کے نام جو خط لکھا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''میرے عزیز ترین دوست ٹیپو سلطان!

میں آپ کو انگریزوں کے آہنی شکنجے سے چھڑانے کے لیے ایک عظیم اور ناقابل شکست فوج کے ساتھ بحیرۂ قلزم کے کنارے پر موجود ہوں۔ آپ کا سیاسی موقف جاننے کا دلی آرزومند ہوں۔ کسی خصوصی معتمد کو جلد از جلد مذاکرات کے لیے سویز روانہ کریں۔ خدا آپ کی طاقت میں اضافہ اور آپ کے دشمنوں کو برباد کرے۔

نپولین بونا پارٹ''

فرانس کے داخلی حالات کی وجہ سے نپولین کو جلد فرانس لوٹنا پڑا۔ اسی دوران لارڈ ولزلی ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر آیا جس کے سگے چھوٹے بھائی ڈیوک آف ولنگٹن کے ہاتھوں ۱۸/جون ۱۸۱۵ء کو بیلجیم کے ایک غیر معروف گاؤں واٹرلو میں نپولین کو شکست فاش ہوئی۔ جس طرح دوراندیش سلطان کے دفاعی نکتہ نظر کے مطابق برصغیر کو سب سے بڑا خطرہ انگریز سے تھا اسی طرح دوراندیش انگریز کی نظروں میں اس برصغیر میں ان کا اصل دشمن ٹیپو سلطان تھا۔ اپریل ۱۷۹۹ء کے آخری ہفتے میں انگریزوں اور نظام دکن کی متحدہ افواج نے انگریز جنرل ہیرس کی قیادت میں سرنگاپٹم پر جو دریائے کاویری کے درمیان ایک جزیرے پر واقع ہے فیصلہ کن حملہ کر دیا۔

برصغیر میں کفر و دین کے درمیان کارزار میں ہمارے ترکش کا آخری تیر اپنے مذہبوں اور غیر مذہبوں کی اس ناپاک

متحدہ فوج کے سامنے شیر کی طرح بے جگری سے ڈٹ گیا۔ یہ صحرا کی آخری اذان تھی۔ اس کے بعد ڈیڑھ صدی تک سناٹا رہا۔

اور پھر وہی ہوا جو مسلمانوں کی تاریخ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ غیر تو خیر غیر تھے ہی اب سلطان کے اپنے بھی سفید چمڑی والوں سے مل گئے۔ ان میں تین نام نمایاں ہیں: میر صادق، قمرالدین اور پورنیا۔ ۱۸ رویں صدی کے یہ نمک حرام کردار آج بھی مختلف ناموں کے ساتھ مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ عناصر ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو بھی موجود تھے۔ آنے والے دور میں بھی موجود ہوں گے۔ صرف ان کے نام مختلف ہوں گے۔

ننگِ دیں، ننگِ قوم اور ننگِ وطن میر صادق اور متحدہ افواج کے جنرل ہیرس کے درمیان خفیہ طور پر یہ طے پایا کہ ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو دوپہر کے وقت، سرنگا پٹم کے قلعے کی فصیل میں بمباری کے نتیجے میں پڑ جانے والے شگاف کے ذریعے یلغار کر دی جائے۔ سلطان نے اس شگاف کی حفاظت کے لیے وہاں خصوصی فوجی دستے تعینات کیے تھے۔ غدار میر صادق نے دوپہر کا وقت جان بوجھ کر چنا تھا۔ محافظ دستوں کو تنخواہ لینے کے بہانے سے بلا لیا گیا۔ نظام دکن اور انگریز کی متحدہ افواج کسی مزاحمت کے بغیر قلعے میں داخل ہو گئیں۔

اس وقت سلطان کے سامنے دوپہر کا سادہ سا کھانا رکھا تھا۔ ابھی ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہ اترا تھا کہ باہر شور سنائی دیا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب حقیقت سے آگہی ہوئی تو بھوکے شیر نے جورات کو زمین پر کھدر بچھا کر سوتا تھا اپنی زندگی کے آخری کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، عمامہ سر پر رکھا جیبی گھڑی جیب میں ڈالی دوربین سنبھالی، تلوار پکڑی اور جنگ کے شعلوں میں کود گیا۔ عقل محو تماشا تھی کیوں کہ یہ صریح خودکشی تھی۔

بھوکے پیاسے شیر کے غیر معمولی لمبے چوڑے جسم پر پہلے ایک گہرا زخم سرخ گلاب کی طرح کھل گیا اور خون فوارے کی طرح پھوٹ پڑا۔ ٹیپو کی تلوار اور اس کا سر دونوں بلند رہے۔ پھر دوسرا کاری گھاؤ کھایا اور سرنگا پٹم کی بھوری خاک میسور کے شیر کے ابلتے ہوئے خون سے سرخ ہو گئی۔ اس حالت میں ایک گورے سپاہی نے شیر میسور کے جڑاؤ شمشیر بند پر ہاتھ ڈالا۔ شیر کا سانس اکھڑ رہا تھا، نبضیں چھوٹ رہی تھیں لیکن جان بلب شیر نے لیٹے لیٹے حیدری تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا گورنے نے فوراً پستول کی لبلبی دبا دی۔ گولی دائیں کان سے ذرا اوپر لگی اور اس کے ساتھ ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو غروب آفتاب سے بہت پہلے میسور کا آفتاب بظاہر غروب ہو گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت کے وقت شہید کی عمر صرف ۴۸ سال تھی۔

۴ رسے ۶ رمئی تک سرنگا پٹم میں وہ لوٹ مار ہوئی کہ الامان والحفیظ۔ لوٹ کا بیشتر حصہ فوجیوں کے حصے میں آیا۔ جو بچا وہ جہازوں میں لاد کر انگلستان بھیج دیا گیا۔ اس میں سلطان کے زیر استعمال رہنے والی اشیا کے علاوہ علم کے موتی یعنی عربی، فارسی اور ہندی کے دو ہزار قلمی نسخے بھی تھے جن میں شہید سلطان کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس کے خوابوں پر

مشتمل ڈائری بھی تھی جو آج لندن کی برٹش لائبریری میں ہے اور اس کا نمبر شمار I.O.ISLAMIC-3563 ہے۔ ہیرے جواہرات سے کہیں بیش قیمت اس بے بہا قلمی نسخے میں شہید سلطان نے اپنے ۳۷ر خواب قلم بند کیے ہیں جو اس نے ۱۳ر برس کے دوران ۱۷۸۵ء اور ۱۷۹۸ء کے درمیان دیکھے تھے۔ یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ سلطان ۲۶ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو تخت نشین ہوا اور ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہوا۔ اس طرح اس ڈائری میں شہید کی تخت نشینی کے تقریباً دو برس بعد سے لے کر شہادت سے کوئی ایک برس قبل تک کے اہم خواب درج ہیں۔ یہ ڈائری فارسی میں لکھی گئی ہے۔

اس ڈائری کے علاوہ سلطان کے زیر استعمال جو چیزیں برطانیہ پہنچیں وہ وکٹوریہ البرٹ عجائب گھر لندن میں شیشے کی ایک بہت بڑی الماری میں رکھی ہیں۔ راقم حروف نے ۱۵ر جون ۲۰۰۷ء کو انھیں دیکھا اور الماری کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے کوائف قلم بند کیے جو یہ ہیں:

۱۔ جیبی گھڑی: یہ گھڑی لندن کی کمپنی ایلیٹ (ELLIOT) کی ساختہ ہے اور سائز میں عام جیبی گھڑیوں سے دگنی ہے۔ اس پر گھنٹوں کے ہندسے رومن رسم الخط میں I سے XII تک اور منٹوں کے ہندسے انگریزی رسم الخط 5,5 ہندسوں کے وقفے کے ساتھ "1" سے "60" تک درج ہیں۔ ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو ایک جونیئر انگریز فوجی افسر لیفٹیننٹ میکڈوول نے اسے سلطان کے جسم پر پایا۔

۲۔ دوربین: پیتل کی یہ دوربین جو لندن کی کمپنی ریمسڈن (RAMSDEN) نے اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں بنائی تھی ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان کے جسم پر پائی گئی۔

۳۔ عمامے کے ہیرے اور فیروزے: ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان نے اپنے سر پر جو عمامہ پہن رکھا تھا اس میں ہیرے اور فیروزے لگے ہوئے تھے۔ ہیرا انتہائی بیش قیمت پتھر ہے جبکہ فیروزے کا شمار نیم گراں بہا جواہر میں ہوتا ہے۔ تاہم سلطان نے اپنے عمامے کے لیے نیلم، پکھراج، یاقوت اور زمرد کے بجائے فیروزے کا انتخاب کیا جس کی کوئی وجہ ضرور رہی ہوگی۔ انگریزوں نے عمامے سے یہ جواہرات نکال لیے جو بعد میں ایک میم صاحبہ کے جڑاؤ زیور (BROOCH) میں جڑ دیے گئے۔

۴۔ تلوار: فولاد کی اس چمک دار اور خم دار تلوار پر سونے کی پتری چڑھی ہوئی ہے۔ دستے کے نیچے طلائی حروف میں ٹیپو سلطان لکھا ہے۔

۵۔ دو توڑے دار پستول: یہ ۹۶۔۱۷۹۵ء میں بنائے گئے۔ ان پستولوں کا گھوڑا دبانے سے پستول کے اندر نصب چقماق کا پتھر فولاد کے نصب شدہ ٹکڑے سے رگڑ کھا کر آگ کا شعلہ پیدا کرتا تھا جس سے پستول میں بھرا ہوا بارود سلگ اٹھتا تھا۔ پستولوں پہ شیر کا سنہری سر بنا ہوا ہے جس پر اسد اللہ الغالب رقم ہے۔

۶۔خود: فولاد کے بنے ہوئے اس خود پر بھی سونے کا کام ہے اور گردن کی حفاظت کے لیے فولادی زرہ لٹک رہی ہے۔

۷۔چھڑی: یہ ملائشیا میں پائی جانے والی بھوری لکڑی سے بنی ہے اور غیر معمولی لمبی ہے۔ دستے پر تقریباً چار انچ لمبا اور ابھرا ہوا سونے کا پترا اور نیچے آخری سرے پر تقریباً دو انچ لمبا چاندی کا پترا چڑھا ہوا ہے۔نوک لوہے کی ہے۔

۸۔زین کا کپڑا: سواری کے لیے زین کا یہ کپڑا تقریباً سوا میٹر لمبا اور سرخ ریشم کا بنا ہوا ہے جس پر بھاری طلائی کام ہے۔

۹۔شیشے کی الماری میں غیر ملکی سیاحوں کے لیے خصوصی دلچسپی کا حامل وہ چیتا ہے جو ٹیپو کا چیتا کہلاتا ہے۔ یہ سائز میں زندہ چیتے کے برابر ہے۔اس کا ڈھانچہ جس پر ہلکا زرد رنگ پھیر کر درخت کے سبز پتوں کے نقش بنائے گئے ہیں میسور کی لکڑی سے بنا ہے۔اس کے ساتھ اور اس کے شکم میں یورپ میں بنے ہوئے صوتی اور میکانکی آلات نصب ہیں۔ چیتے کے سامنے ایک انگریز لیٹا ہوا ہے جس نے سرخ لمبا کوٹ، چست پتلون، سیاہ ٹوپ اور سیاہ جوتے پہن رکھے ہیں۔اس زمانے میں یہ انگریز فوجی افسروں کی وردی ہوا کرتی تھی۔ چیتا انگریز کے سینے پر سوار ہے اور اس کے خوں خوار دانت انگریز کی گردن پر ہیں۔ انگریز فوجی کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی ہیں۔اس کا دایاں بازو اس کے جسم کے ساتھ لگا ہے جبکہ اس کے بائیں بازو کی انگلیاں اس کی ناک پر رکھی ہیں۔ چیتے کے شکم میں ایک ہینڈل لگا ہے جسے گھمانے سے ایک طرف میکانکی آلات کے ذریعے انگریز کے دونوں بازو حرکت میں آجاتے تھے اور دوسری طرف صوتی آلات کے ذریعے اس کے منہ سے چیخیں نکلتی تھیں۔

۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطنتِ خداداد میسور ختم ہوگئی۔اس کے بعد ڈیڑھ صدیاں بیتیں تب کہیں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ ساز تاریخ آئی۔کسی قوم اور ملک کی تاریخ میں ایسی تاریخیں صدیوں بعد ہی آتی ہیں۔

(اردو ڈائجسٹ، مئی ۲۰۰۹ء)

rahmat.JPG not found.

دُنیائے تحقیق میں اشاریہ سازی کی اہمیت

سلمان عابد

اشاریہ ”برہان“ دہلی: ایک نادر مثال

علمی دُنیا میں ہر محقق اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ کسی بھی موضوع یا کسی بھی چیز پر تحقیق کرنے سے قبل یہ جاننا نہایت ضروری ہوتا ہے کہ اس موضوع پر آج سے قبل کیا تحقیق ہو چکی ہے۔ سابقہ تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے وہ فیصلہ کرتا ہے کہ تحقیق کہاں سے شروع ہوگی۔ مزید یہ کہ سابقہ تحقیق سے آگاہی حاصل کرنے پر اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر تاریخ میں کیا کیا کام ہو چکے ہیں۔ اس کے لیے کتابیات اور اشاریہ نویسی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ موجودہ تیز رفتار اور سپیشلائزیشن کے دور میں اس کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے۔

پاک و ہند کی جامعات میں بھی اس حوالے سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی مقالے بھی لکھوائے جاتے رہے اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اب بھی جاری ہے۔ لیکن ان مقالوں (میں موجود اشاریوں) کی اشاعت نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی بھی ایشو پر لکھنے یا تحقیق کرنے کے جہاں پر کتب کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلّم ہے لیکن ہزاروں کی تعداد میں شائع ہونے والے اخبارات، رسائل و جرائد کا کردار کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ رسائل اپنے اپنے عہد کے عکاس ہوتے ہیں اور اپنے دور کی تاریخ، معاشرتی مسائل، معیشت، تہذیب و ثقافت، مذہب کے علاوہ زندگی کے دیگر شعبوں پر تحریریں پیش کرتے ہیں۔

رسائل و جرائد میں ایک ایک موضوع پر اُس کے بیسیوں پہلوؤں پر کئی اہل قلم کی نگارشات شامل ہوتی ہیں۔ ان گونا گوں موضوعات پر مختلف تحریروں کو کتابوں میں ملنا محال ہوتا ہے۔ صرف رسائل و جرائد ہی ان کو شائع و محفوظ کرتے ہیں۔

ہزاروں کی تعداد میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد میں سے کسی علمی، تحقیقی رسالے کے سیکڑوں شماروں اور اُس میں شائع ہونے والے ہزاروں مقالات و نگارشات سے استفادہ کرنا بھی ایک حد تک ”ناممکن امر“ لگتا تھا۔ اس ”ناممکن“ کو ممکن بنانے کے لیے اشاریے مرتب کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے محقق کے علم میں یہ آتا ہے کہ کس رسالے میں اس کے کام کا لوازمہ موجود ہے اور یہ اشاریہ ہی ہے جس کے باعث کسی رسالے کے تمام شماروں کی ورق گردانی کی زحمت سے نجات مل جاتی ہے۔

ماضی قریب میں پاک و ہند میں انفرادی سطح پر کام کرتے ہوئے کئی رسائل کے اشاریے سامنے آچکے ہیں۔ جن مذہبی اور اَدبی رسائل کے اشاریے مطبوعہ شکل میں سامنے آچکے ہیں اُن میں ”ترجمان القرآن، رحیق، نقیب ختم نبوت، الحق، القاسم، عالم اسلام اور عیسائیت، مخزن، معاصر، صحیفہ، خدابخش جرنل، الرحیم، الولی، تحقیقاتِ اسلامی، علوم القرآن، اُردو، پیغامِ آشنا، جہانِ حمد، برہان، حرمین، فقہ اسلامی، اقبالیات، اقبال ریویو، ادبِ لطیف، حق چار یارؓ، معارف، التفسیر، السیرۃ العالمی، نعت رنگ......وغیرہ“ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

پاک و ہند میں اشاریہ سازی کی روایت قدیم ہے لیکن پاکستان میں اس اہم ترین تحقیقی لوازمے پر بہت کم توجہ دی گئی تھی لیکن خوش قسمتی ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں اس پر خاص توجہ دی جاری ہے۔ اور اس اہم ترین کام میں جو قابلِ قدر نام سامنے آ رہا

ہے وہ شاہد حنیف صاحب کا ہے۔ جنھوں نے گذشتہ چند برسوں میں کئی رسائل وجرائد کے اشاریے مرتب کر کے دُنیائے تحقیق میں ایک روشن مثال قائم کی ہے۔ وہ بیسیوں رسائل کے اشاریے مرتب کر کے اہل علم وقلم سے داد پا چکے ہیں۔ ربّ العزت کی عطا کردہ خداداد صلاحیتوں سے وہ نہ صرف اشاریہ سازی کے میدان میں تحقیقی کام کررہے ہیں بلکہ ''اشاریہ سازی'' کے حوالے سے جدید طریقہ کار اور بہترین فنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے اشاریہ سازی میں بہترین مثال پیش کررہے ہیں ان کے مرتب کردہ اشاریے جدید اُسلوب وندرت کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں جس کی حالیہ مثال ''ماہنامہ برہان دہلی'' کا ۶۳ سالہ اشاریہ ہے۔

۱۹۳۸ء میں دینی، علمی وتحقیقی کاموں کو مستقل بنیادوں پر کرنے کے لیے برصغیر کے نامور علماءِ کرام (جن میں مولانا عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ......وغیرہ شامل تھے)، نے دہلی میں ندوۃ المصنّفین کی بنیاد رکھی اور اس کے لیے ایک علمی، تحقیقی، دینی رسالہ کی اشاعت شروع کی، جس کا نام ماہنامہ ''برہان'' تھا۔

''ماہنامہ برہان'' پون صدی کے قریب علمی دُنیا کو اپنی دینی، علمی، اَدبی اور تحقیقی نگارشات سے فیض یاب کرتا رہا۔ نصف صدی سے زائد اس عرصۂ اشاعت میں برصغیر پاک وہند کے علماءِ کرام، پروفیسرز، دانشور، محققین، ادیب اور شعرا کے سیکڑوں موضوعات پر مشتمل مقالات ونگارشات اس رسالے کی زینت بن کر اہل علم وقلم، محققین اور عام قارئین کو علم و تحقیق کے نئے وقدیم گوشوں سے روشناس کرواتے رہے ہیں۔

اس بات کی شدت سے ضرورت تھی کہ اس کی ایک جامع ومانع فہرست (اشاریہ) مرتب ہو جس سے اس کے ۶۳ سال میں شائع ہوگے ہزاروں مقالات سے استفادہ کرنا آسان ہو اور کسی بھی محقق کو اپنی تحقیق کے حوالے متعلقہ مواد کی فراہمی ایک نظر میں ہوجائے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اشاریہ مرتب کیا گیا ہے۔

''اشاریہ برہان'' میں مرتب اشاریہ شاہد حنیف نے پون صدی پر محیط اس علمی سرمائے یعنی ''فہرست مقالاتِ برہان'' کو اس انداز میں ایک لڑی میں پرودیا ہے کہ کسی بھی محقق کو اپنے متعلقہ موضوع یعنی علومِ قرآن وحدیث، فقہ واجتہاد، عبادات، معاشرت، سیاسیات، تاریخ، سیر وسوانح، اَدبیات اور شاعری کے علاوہ دیگر بیسیوں موضوعات پر ''برہان'' کے ۶۳ سالوں میں شائع شدہ مواد کی نشاندہی آسان تر ہوگئی ہے۔

فاضل مرتب نہ صرف اشاریہ سازی میں بلند مقام رکھتے ہیں بلکہ پاک وہند میں اس میدان میں ''فردِ واحد'' کی حیثیت سے یہ علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ الغرض یہ کہ شاہد حنیف صاحب نے یہ اشاریہ مرتب کر کے علمی دُنیا پر ایک احسان کیا ہے اُن کا یہ اشاریہ علمائے کرام، محققین، مصنّفین، علم دوست اور پروفیسرز حضرات کے لیے کسی ''نعمت'' سے کم نہیں ہے۔ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''......[یہ اشاریہ کتاب سرائے، اُردو بازار، لاہور کے علاوہ اس نمبر ۰۳۳۳-۴۱۲۸۷۴۳ سے بھی دستیاب ہے۔

نام کتاب: خدمات علماءِ سندھ اور جمعیت العلماء مؤلف: مولانا محمد رمضان پھلپوٹو صفحات: ۴۴۸ قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ ملنے کا پتہ: سندھ کے اہم دینی مراکز سے دستیاب ہوسکتی ہے۔ 0307-3604061

مبصر: سلیم اللہ چوہان

یہ کتاب سندھ کے علماء اور علماءِ ہند کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ کتاب میں چھے ابواب ہیں۔ باب اوّل میں مشائخ وعلماءِ قادر یہ راشد یہ سندھ کی سیاسی و جہادی خدمات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ باب الاسلام سندھ میں مشائخ عظام سلسلہ قادریہ راشدیہ کا فیض ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ شیخ الشیوخ، مرشد الموحدین حضرت پیر سید محمد راشد روضے دھنی رحمہ اللہ کے سرچشمہ فیوضات سے چہار سو روشنیاں ہی روشنیاں نمودار ہوئیں، صاحب سرگزشت کابل رقم طراز ہیں: ''سید محمد راشد شاہ جن کو سندھ کے لوگ پیر صاحب روضے والا کہتے ہیں وہ قادری طریقہ کے بزرگ تھے۔ ان کے خلفاء ملتان سے لے کر مکران تک پھیلے ہوئے تھے اور کوئٹہ سے لے کر کاٹھیاواڑ تک۔ وہ بڑے صاحبِ ارشاد تھے'' (سرگزشت کابل، ص: ۹۹، دار الکتاب لاہور ۱۹۹۸ء)

باب دوم مشائخ قادریہ کی سیاسی و جہادی خدمات، ہند اور سندھ کے اولیاء وعلماء کے آپس میں سیاسی تعلقات کی تفصیل ہے۔ ہر دور میں امت مسلمہ کے علماءِ حق نے دینِ اسلام کی خدمت کی ہے۔ دینی اور دنیوی دونوں محاذوں پر حق وصداقت کا پرچم لے کر امتِ مسلمہ کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ وارث انبیاء کے منصب کی لاج رکھی۔ عالم اسلام کے دیگر ممالک کی طرح وطن عزیز کے اس خطہ جسے عرف عام میں ''برصغیر'' کہا جاتا ہے کے علماء کرام نے بھی وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جسے اسلامی تاریخ نے آبِ زر سے لکھا ہے۔

اس باب میں امام شاہ ولی اللہ اور سندھ کے علماء کے آپس میں تعلقات، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور حضرت پیر پگارو رحمہم اللہ کے باہمی تعلقات کے عنوانات دیے گئے ہیں جبکہ اس باب کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب سوم جمعیۃ الانصاری کی صورت ہیں، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی نے جمعیت علماء ہند کے لیے بنیادی گراؤنڈ مہیا کی اور جمعیت الانصار کی بنیاد جس اجلاس میں رکھی گئی، اس میں کل چار حضرات تھے، جن میں سے تین کا تعلق سندھ سے ہے۔ اس لحاظ سے شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے اصل الاصول بنیاد میں باب الاسلام سندھ کی کاوشیں، محنتیں اور آئیڈیا شامل ہے۔ باب چہارم تحریک ریشمی رومال میں سندھ کا حصہ اور کردار۔ اس تحریک میں سندھ کا کردار اور حصہ اہم اور قابل ستائش رہا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس تحریک میں سندھ کا کردار اساسی ہے اور سندھ والے اس کے بانی مبانیوں میں سے ہیں، تو شاید اس میں مبالغہ نہ ہو۔ اس باب میں تحریک ریشمی رومال کی تفصیل موجود ہے۔ باب پنجم خانقاہ ہالیجی شریف کی سیاسی خدمات، اس باب میں جنید وقت قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ کا مکمل تعارف، حیات وسیاسی خدمات کے ساتھ خانوادہ ہالیجی شریف کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت اقدس مولانا حافظ

محمود اسعدؒ، حضرت سائیں عبدالصمد ہالیجوی زید مجدہم، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالماجد وغیرھم شامل ہیں۔ باب ششم جمعیت علماءِ اسلام اور سندھ کے علماء، اسی باب میں جمعیت علماء اسلام کا تعارف اور سندھ کی مشہور اور اہم علمی شخصیات کا تعارف شامل ہے۔ کتاب کے آخر میں مؤلف کا تعارف بھی شامل ہے۔ اس کتاب پر قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ، ولی کامل حضرت اقدس سائیں عبدالصمد ہالیجی، قائد سندھ حضرت علامہ راشد خالد محمود سومرو کی تقریظات شامل ہیں۔ کتاب کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ مؤلف پیش لفظ میں رقم طراز ہیں کہ: راقم الحروف کو قائد جمعیۃ نے حکم فرمایا کہ ''خدمات علماء سندھ اور جمعیت العلماء'' کے موضوع پر آپ کتاب تیار کریں۔ جس میں ذرا تفصیلی طور ان کی سیاسی خدمات کا تذکرہ ہو اور خانقاہ دین پور شریف کو بھی اس میں شامل کرو'' (ص:۳۶)

قائد جمعیۃ لکھتے ہیں:

''برصغیر پاک و ہند میں فرنگی سامراج کے جبر واستبداد کے خلاف علماء حق کی جدوجہد ایک شاندار ماضی کی حامل ہے۔ جمعیت العلماء کی سیاسی جدوجہد ایک سو سال کے طویل دورانیہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں ہمارے اکابرین واسلاف نے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ صد سالہ تاسیسی اجتماع پشاور کے موقع پر ان کے فقید المثال کارہائے نمایاں، قربانیوں اور چمکتے دمکتے کردار کو آئندہ نسل سے روشناس کرانے کے لیے ہم نے اپنے مختلف اہلِ قلم ساتھیوں کو مختلف موضوعات پر لکھنے کی ذمہ داری سونپی۔ سندھ سے مولانا محمد رمضان صاحب پھلپوٹو کو ''خدمات علماء سندھ اور جمعیت العلماء'' کا موضوع دیا گیا۔ جس میں امام شاہ ولی اللہ اور امام سید محمد راشد روضے دھنی کے دور سے لے کر اب تک ہندوسندھ کے دینی وسیاسی تعلقات وروابط، تحریک شہیدین میں سندھ کا کردار، سندھ کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مشائخ وخانقاہوں کا دینی وسیاسی تحریکوں میں حصہ اور جمعیت العلماء کے قیام سے لے کر اب تک سندھ کے علماء ومشائخ کا اچھا اجلا کردار بیان کیا گیا ہو۔

الحمد اللہ مولانا صاحب نے بسط وتفصیل کے ساتھ اپنے موضوع کا احاطہ کیا، تاریخ کی کئی ایک کتب کو کھنگال کر ہمارے اور آئندہ نسلوں کے لیے یہ خوبصورت گلدستہ تیار کیا ہے۔ جس پر وہ ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کتاب کی یہ محنت مقبول ومنظور فرمائے اور مزید توفیق ارزاں نصیب فرمائے۔ **اللّٰھم آمین**

(حضرت مولانا) فضل الرحمٰن (صاحب)

امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان

(نزیل کراچی)

۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ/ ۱۱؍ فروری ۲۰۱۷ء

مسافرانِ آخرت

ادارہ

★ مجلس احرار اسلام گجرات کے امیر حافظ ضیاء اللہ ہاشمی کے بہنوئی کرامت اللہ انتقال: 6/اپریل 2017 بروز جمعرات

★ بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم ملتان کے ناظم جام ریاض احمد کی پھوپھی اور حافظ محمد عمران (ماہڑہ مظفر گڑھ) کی دادی مرحومہ

★ امیر احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ کے خادم سعید احمد کے سسر محمد یار مرحوم

★ مجلس احرار اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ناظم چودھری محمد نذیر کے چچا اور محمد یٰسین کے والد ماجد حاجی محمد انور مرحوم

★ مجلس احرار اسلام لاہور کے بزرگ کارکن چودھری محمد اکرام صاحب کی بھاوج اور محمد اکرم مرحوم کی بیوہ انتقال: 5/اپریل 2017ء

★ چیچہ وطنی میں استاذ الحفاظ حافظ مختار احمد کی اہلیہ مرحومہ

★ مدرسہ محمدیہ عائشہ للبنات مہران ٹاؤن کراچی کی صدر معلّمہ کے ماموں اور استاد حضرت قاری حافظ محمد عبداللہ ڈیروی مرحوم

★ (صدر مدرس درس گاہ نیازیہ، ڈیرہ غازی خان) انتقال: 7/اپریل 2017ء بروز جمعہ کراچی

★ سراجیہ دواخانہ چیچہ وطنی کے کارکن محمد بابر کے دادا جی رانا نیاز احمد (چک نمبر 42-12L) انتقال: 22 اپریل 2017 ہفتہ

★ گلاسگو (برطانیہ) کے معروف عالم دین مولانا محمد اسلم (مدرسہ پولک شیلڈ) کچھ عرصہ قبل انتقال فرما گئے۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور شیخ عبدالواحد نے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔

★ چیچہ وطنی میں محمد افضل چیمہ اور محمد امتیاز چیمہ کی والدہ ماجدہ، صہیب شہزاد چیمہ کی نانی صاحبہ انتقال: 9/اپریل 2017ء

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خاص اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطاء فرمائے۔

مراکز احرار و ختم نبوت چیچہ وطنی کے لیے تعاون کی فوری ضرورت

دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کی تعلیمی ضروریات اور دعوت وارشاد خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر ادارے سے متصل جنوب مشرقی جانب تقریباً پونے تین مرلے جگہ کا ساڑھے اٹھائیس لاکھ روپے میں سودا طے ہوا۔ انتقال جگہ وغیرہ کا خرچہ شامل کر کے تقریباً تیس لاکھ روپے سے زائد بنتا ہے۔ اس مد میں اب تک تقریباً 8 لاکھ روپے فنڈ وصول ہوا ہے، ادائیگی کے لیے مارچ کے آخر تک کا وعدہ تھا جو کہ پورا نہیں ہوسکا، اب جگہ کے مالک سے مئی 2017 کے آخر تک کی مہلت لی گئی ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس کار خیر میں زیادہ سے زیادہ تعاون فرمائیں اور اللہ سے اجر پائیں

رابطہ

عبداللطیف خالد چیمہ: 0300-6939453

قاری محمد قاسم: 0302-6913303

ترسیل زر

اکاؤنٹ بنام: دارالعلوم ختم نبوت بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی

اکاؤنٹ نمبر: 076000,4037251873

نیشنل بنک آف پاکستان جامع مسجد بازار چیچہ وطنی

مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے زیر اہتمام چوتھے مرکز احرار مسجد ختم نبوت، رحمان سٹی اوکانوالہ روڈ چیچہ وطنی کے ہال کی تعمیر شروع ہے۔

نقد اور مٹیریل کی شکل میں تعاون فرمائیں اور اللہ کریم سے اجر پائیں

زیر نگرانی: عبداللطیف خالد چیمہ

رابطہ قاضی ذیشان آفتاب (خطیب مسجد ختم نبوت)

0306-8747970

زیر انتظام: انجمن دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد (رجسٹرڈ) چیچہ وطنی

منجانب: انجمن دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد (رجسٹرڈ) چیچہ وطنی: 040-5482253

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ —— امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

304 0000

خصوصیات

★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی و فکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے
★ حفظ و ناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ خامسہ تک تعلیم جاری ہے
★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف و نحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء
★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر و تحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت
★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ و ناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔
تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے
تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے
صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد و سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔
نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ و عشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053
یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان